سلطان محمود غزنوی

کی

بزمِ ادب

از

ابوالحسنات سید غلام محی الدین قادری زور
ایم اے (عثمانیہ)

۱۹۲۷ء

سلطان محمود غزنوی کی بزم ادب

از

ابو الحسنات سید غلام محی الدین قادری زور یم-اے (عثمانیہ)

مصنف

روح تنقید، تنقیدی مقالات، تنقیدی مقابلہ،
اردو کے اسالیب بیان، طلسم تقدیر، فسانۂ تارخ،
تین شاعر

۱۹۲۷ء

ناشر
مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

طبع اول — تعداد جلد (۵۰۰) — قیمت (

فہرست

دیباچہ

(۱)

عباسی سلطنت اور غزنین

سامانی خاندان، البتگین، سبکتگین کا سلسلہ نسب، سامانی خاندان کا زوال اور عباسی سلطنت کے ساتھ غزنین کے تعلقات کی ابتدا۔

(۲)

اسلام کا اثر ایران پر۔ فارسی زبان کا پہلا شاعر، فارسی کے اولین شعرا، سامانی خاندان کا علمی و ادبی ذوق و شوق، سامانی شعرا، فارسی علم و ادب کے چند اور گہوارے :-

۱۔ طبرستان، ۲۔ آل بویہ ۳۔ ملوک چغانیاں۔ موجودہ فارسی نثر کی ابتدا، نثر کی اولین کتابیں، سامانی کتب خانہ، شاہ نامہ کی ابتدا، فارسی علم و ادب پر سامانی دور کا اثر۔

(۳)

سلطان محمود اور فارسی علم و ادب کی حالت

محمود کی تخت نشینی کے وقت ایران کی علمی و ادبی فضا۔ محمود کے معاصر حکمرانوں کی علمی و ادبی قدر دانی :۔

۱۔ ابو المظفر نصر بن سبکتگین ۔ ۲۔ امیر خلف بانو بن احمد (۳) شمس المعالی قابوس بن وشمگیر۔ (۴) فلک المعالی منوچہر بن قابوس ۔(۵) مامونی خوارزم شاہ ۔ محمود کا ذاتی علمی و ادبی ذوق۔

(۴)

غزنین میں ارباب علم و فضل اور شاعروں کا مجمع

ابو العباس اسفرائنی ابو القاسم احمد میمندی، ابو محمد ناصحی ۔ ابوطیب صعلوکی ابو نصر مشکان، ابو الفتح بستی، ابو نصر عتبی، ابو منصور ثعلبی، بن خمار، ابو ریحان بیرونی ۔ شعراء۔ عنصری، فرخی، عسجدی ، سدی، فردوسی، غضائری منشوری، امیر فانی ۔

(۵)

سلطان محمود اور غزنوی دور کے علمی و ادبی احسانات

محمود کے متعلق غلط فہمیاں، محمود کی علمی وادبی قدر دانیاں، محمود کے متعلق بعض قدیم مصنفین کی رائے، فارسی نظم اور نثر پر محمود کے احسانات، فارسی ادبیات پر غزنوی دور کے احسانات:۔

زبان کی ترقی، شاعری کی ترقی، نثر کی ترقی، تاریخ نگاری پر اثر، عام علمی اور ادبی فضا۔

(۷۵)

اپنے وطن کی ایک قابل وقعت ہستی

مخدومی و محترمی

عالیجناب نواب رفعت یار جنگ بہادر

کے نام اپنی اس ناچیز کوشش کو

اُن شفقتوں کی یادگار کے طور پر معنون کرتا ہوں جو میرے علمی ذوق اور ادبی نشو و نما میں ہمیشہ رہبری کرتی رہی ہیں۔

سید غلام محی الدین قادری

۱۹۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

گذشتہ سال جبکہ میں امتحان ام۔ اے۔ کی تیاری کر رہا تھا مجھے سلطان محمود غزنوی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور چونکہ تاریخ ادبیات ایران میرے تعلیمی نصاب میں داخل تھی اس لئے اس طرف توجہ کرنے کا مجھے موقع بھی ملا۔ محمود کی زندگی اور کردار پر سیاسی نقاطِ نظر سے اب تک متعدد بار روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن اس کی علمی و ادبی خدمات کے متعلق مستقل حیثیت سے بہت کم لکھا ہے۔

جس طرح میں نے کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے محمود کی زندگی کے علمی و ادبی پہلو کے متعلق اس وقت بہت کم مواد موجود ہے لیکن صرف اس خیال سے محمود کی ہستی کو متعدد شکایتوں کا آماجگاہ اور مختلف تعصبات کا تختۂ مشق بننے کے لئے چھوڑ دینا اس کی ذات پر

ظلم کرنا ہے۔ موجودہ مواد سے جس قدر بھی معلومات اُس کی علمی و ادبی خدمتوں کے متعلق حاصل ہو سکتی ہیں میں نے انہی سے مدد حاصل کر کے ایک مختصر سی کتاب تیار کر دی ہے جو اس وقت آپ کے ملاحظہ میں ہے۔

اس کتاب کی تیاری کے لئے جہاں جہاں سے معلومات حاصل کی گئی ہیں ان کے حوالے موقع بموقع دیدیئے گئے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس موضوع کے متعلق کسی اہم مواد تک میری رسائی نہ ہو سکی ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میری طالب علمی کے مدنظر یہ چیز قابل درگذر ہے تاہم میں نے اپنی بساط کے موافق اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکوں۔ اور اس بارہ میں میں اپنی درسگاہ کے اساتذۂ فارسی محترمی جناب ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب مولوی فاضل۔ پی ایچ ڈی۔ اور محترمی جناب مولوی عبدالحمید خاں صاحب کا مرہونِ منت ہوں کہ ان دونوں نے میری خاطر خواہ رہبری فرمائی۔ فقط

ابوالحسنات

سید غلام محی الدین قادری زور

نغاہ گنج حیدرآباد دکن

۱۲ ذیحجہ ۱۳۴۵ھ

(۱)

عبّاسی سلطنت اور غزنی

غزنیں کی حکومت اور اس کے فرماں رواؤں کو اول اول عباسی خلفاء سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس حکومت کا بانی الپتگین اُن ترکی غلاموں میں سے تھا جن کو سامانی حکمرانوں نے اپنے بعض علاقوں کی فرماں روائی کا شرف بخشا تھا۔

سامانی خاندان سامانی خاندان کے متعلق صرف اس امر کا اظہار کافی ہے کہ یہی پہلا ایرانی النسل خاندان ہے جس نے عربوں کی حکومت سے آزاد ہو کر ایرانی قومیت کا احیاء کیا۔ اس خاندان کا بانی بلخ کا ایک ایرانی امیر تھا جس نے صوبہ دار بلخ اسد بن عبداللہ قسری کے اثر سے زرتشتی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا اور اپنے

بیٹے کا نام صوبہ دار کے نام پر اسد رکھا۔ اسد کے چار بیٹے تھے جنھوں نے خلیفہ مامون کی حکومت میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اس کے صلہ میں اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک ضلع کی حکومت حسبِ تفصیلِ ذیل حاصل ہوئی تھی :-

(۱) نوح = سمرقند -(۲) احمد= فرغنہ -(۳) یحییٰ = شاش

(۴) الیاس = ہرات -

احمد نے اپنے سب بھائیوں پر فوقیت حاصل کی' وہ نہ صرف سمرقند میں نوح کا جانشین بنا بلکہ کاشغر کو بھی اپنے حدود میں داخل کر لیا' اس کے لڑکے اسمعیل نے ۲۹۱ ھ م ۹۰۲ ء میں صفاریوں سے خراسان چھین لیا' طبرستان کے علوی حکمران محمدؐ بن زید کو شکست دی اور صحرائے اعظم سے خلیج فارس اور حدود ہندوستان سے بغداد تک کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ماوراالنہر میں اسکی حکومت مستقل طور پر قایم ہوگئی۔ اور بخارا اور سمرقند تہذیب' علوم و فنون اور فضل و کمال کے لئے تمام عالمِ اسلامی کے مرکز بن گئے۔ لیکن اس کے جانشین خراسان اور سجستان کی بغاوتوں اور بنو بویہ کے عروج کے باعث کمزور ہوتے گئے۔ چنانچہ نصف صدی کے اندر ہی اُن کی حکومت صرف ماوراالنہر اور خراسان میں محدود

ہو گئی اور اصلی طاقت ترکی غلاموں کے ہاتھ میں چلی گئی جن کو انھوں نے اپنے دربار میں بے دھڑک جگہ دے لی تھی۔ انہی غلاموں میں سے ایک الپتگین تھا[1]۔

الپتگین الپتگین کو عبدالملک کے زمانہ میں عروج حاصل ہوا جس نے اس کو ۳۴۶ھ (م ۹۵۷ء) میں ہرات کا سپہ سالار اور حاکم بنا دیا تھا۔ لیکن عبدالملک کے انتقال یعنی ۳۵۰ھ (م ۹۶۱ء) کے بعد جب سامانی شہزادوں میں جھگڑے پیدا ہو گئے اور الپتگین کی حکومت جاتی رہی تو اس نے کوہ سلیمان کے وسط میں۔ شہر غزنیں میں۔ غربت اختیار کی؛ اگرچہ یہاں اس کا باپ سامانیوں کی طرف سے حاکم رہ چکا تھا لیکن الپتگین کو اس کے موجودہ حاکم ابوبکر لاویق کو نکال باہر کر کے خود کی حکومت از سر نو قایم کرنی پڑی[2]۔

الپتگین کے قابض ہونے کے قبل غزنیں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا

---

[1] دیکھو:- (۱) اسٹانلے لین پول کی کتاب "دی محمڈن ڈینا سٹیز" صفحہ (۱۳۱) (۲) پروفیسر براؤن کی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" جلد اول صفحہ ۳۵۲ (۳) حکیم شمس اللہ قادری کی کتاب "آثار الکرام" مطبوعہ رسالہ اردو جلد (۳) حصہ (۱۱) صفحہ (۳۵۴)

[2] پروفیسر محمد حبیب (علی گڈھ) کا مضمون "سلطان محمود غزنوی" مطبوعہ رسالہ "ہندوستان ریویو" بابت اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء صفحہ (۱۷)

تھا یا نہیں اس کے متعلق اِم لانگورتھ ڈیمس نے اپنے مضمون میں . جو
"انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" کے لئے "غزنوی خاندان" پر لکھا تھا شبہ
ظاہر کیا ہے' اس کا خیال ہے کہ "اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ آیا
علاقہ غزنین پہلے سے سامانی سلطنت میں شامل تھا یا نہیں ؟ اگرچہ
تمام زابلستان اور کابل پر صفاریوں نے ۲۶۰ھ (م ۸۷۴ء) میں حملہ
کیا تھا لیکن یہ متیقن نہیں کہ اس پر ان کا اثر کب تک مسلّط رہا ؟ اور
جب سامانی برسرِحکومت ہوئے تو بھی اس امر کا ثبوت نہیں کہ غزنین
اور کابل ان کے ماتحت تھے غزنین کا حکمران "پادشاہ" کہلاتا تھا
اور کابل کی ہندی بادشاہت سے تعلق رکھتا تھا - یہ لقب اسوقت
تک مسلمان حکمرانوں نے اختیار نہیں کیا تھا - پادشاہ لاویق اگرچہ
"طبقات ناصری" کے اکثر نسخوں میں اس کا نام ابوبکر یا ابو علی لکھا
ہے - غالباً ایک ہندو حکمران تھا" - ممکن ہے کہ لانگورتھ ڈیمیس
کا یہ خیال درست ہو - لیکن ابو الفضل بیہقی کی "تاریخ ناصری یا
تاریخ مسعودی[1]" - منہاج سراج منہاج کی "طبقات ناصری" اور ابن یول

---

[1] ابو الفضل محمد بن حسین البیہقی کی کتاب کا کوئی ایک نام متعین نہیں کیا جا سکتا - معلوم نہیں خود مصنف نے اس کا کیا نام رکھا تھا - دیکھو ڈاکٹر نظام الدین کا "انٹروڈکشن ٹو دی جوامع الحکایات" صفحات (۵۹ تا ۶۰)

کی "محمڈن ڈنیا سٹیز" میں صاف طور پر اس امر کا ذکر کیا گیا ہے کہ غزنین اس وقت تک مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا لین پول نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ غزنین پر پہلے الپتگین کا باپ حاکم رہ چکا تھا۔[1]

الپتگین بغیر اپنی سلطنت کو زیادہ وسیع کیے انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کے جانشین ابو اسحاق، بلک تگین اور امیر پیری تینوں نے بھی حکومت غزنین کی طاقت و وسعت میں کوئی اضافہ نہیں کیا اس لحاظ سے اس خاندان کا اصلی بانی سبکتگین کہلایا جا سکتا ہے جو الپتگین کا ایک غلام، داماد اور سپہ سالار تھا۔

سُبکتگین

سبکتگین کے متعلق منہاج سراج منہاج صاحب "طبقات ناصری" نے امام ابوالفضل بیہقی کی تاریخ ناصری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عبدالملک نوح سامانی کے عہد میں ایک شخص نصر حاجی سبکتگین کو خرید کر اپنے ساتھ بخارا لے آیا تھا۔ یہاں الپتگین امیر صاحب نے اسکی "آیا ہیبت و جلاوت" کے آثار دیکھ کر اُسے خرید لیا اور اپنے ساتھ طخارستان لے گیا۔ اس کے بعد جب وہ غزنین آیا تو سبکتگین بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہاں اس کو امیر الامراء اور وکیل مطلق کے خطابات دئے گئے۔

الپتگین کی وفات کے بعد جب غزنین کی حالت خراب ہونے

---

[1] دیکھو محمڈن ڈینا سٹیز صفحہ (۲۸۵)

لگی تو اُمرا و اعیانِ حکومت نے سبکتگین کی خدمات سے متاثر ہو کر ۲۷ر شعبان ۳۶۶ھ (م ۹۷۶ء) میں اُس کو غزنیں کے تخت و تاج کا مالک بنا دیا۔[1]

سُبکتگین نے اپنی ریاست کے حدود میں دونوں جانب اضافہ کیا یعنے ہندوستان میں تو راجپوتوں کو شکست دینے اور پشاور کو ایک ضلع بنانے سے اور ایران میں خراسان کا صوبہ حاصل کرنے سے جس کا وہ نوح سامانی کی طرف سے ماوراء النہر میں ابوعلی سیمجور کی بغاوت ۳۸۳ھ (م ۹۹۳ء) فرو کرنے کے صلہ میں صوبہ دار بنایا گیا تھا۔ سبکتگین نے اگرچہ وفاداری یا انکسار کے باعث سامانی خاندان کا صوبہ دار بننا قبول کر لیا۔ لیکن یہ صرف دکھلانے کو تھا ورنہ وہ دراصل اُس وقت اپنے سامانی آقاؤں سے زیادہ طاقت ور بن گیا تھا۔

سُبکتگین کا سلسلہ نسب

یہ عجیب بات ہے کہ ایرانی اپنے تمام حکمرانوں کو اپنے قدیم پادشاہوں کی نسل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی قدامت پسندی و اسلاف پرستی اور غرور و خود داری گوارا نہیں کرتی کہ سوائے اُن کے اُسی شاہی خاندان کی اولاد کے جس کو (ان کے خیال میں) خدا تعالیٰ کی طرف

[1] دیکھو طبقات ناصری مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ کلکتہ طبقہ (۱۱) صفحات (۶ و ۷)

سے بادشاہی حاصل ہوئی تھی اور جس کے حکمران اپنے تئیں خدا تعالیٰ کی اولاد یا دیوتا سمجھتے تھے[1]، کسی اور خاندان کا شخص اُن پر حکمران ہو سکے۔

اِس معاملہ میں ایرانی قدیم زمانہ سے شدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ دینا وری (صفحہ ۹۸) نے اِس قسم کی ایک مثال پیش کی ہے کہ جب بہرام خسرو پرویز سے شکست کھا کر بھاگا اور راستہ میں ایک جگہ کسی غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں آرام لینے کے لئے ٹھیرا اور اُس سے دریافت کیا کہ "بڑی بی! کہو آج کل کی کیا خبر ہے؟" تو اُس بڑھیا نے جواب دیا کہ "خبر تو یہ ہے کہ کسریٰ نے یونانی فوج کے ساتھ بہرام کا مقابلہ کیا۔ اور اس کو شکست دیکر اپنی سلطنت حاصل کی" پھر بہرام نے کہا کہ "بہرام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" تو بڑھیا نے کہا کہ "وہ بڑا ہی بیوقوف ہے کہ شاہی خاندان سے نہ ہونے پر بھی بادشاہت کا خواہشمند ہے!"

پہلی مثال | اغیار کو ایران پر حکومت کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکنے کی سب سے اہم مثال سکندر اعظم کے متعلق ہے۔ ایرانیوں (اور خاص کر فردوسی) نے اس امر کو گوارا نہیں کیا کہ ایک غیر شخص

---

[1] براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول صفحہ (۱۲۸)

اُن کی سلطنت کے فتح کرنے میں اِس قدر عظیم الشان کامیابی حاصل کرے اِس لئے انھوں نے یہ قصّہ تراشا کہ (کیانی خاندان کے آخری فرماں روا دارا کے باپ) داراب نے مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس کی لڑکی سے شادی کی تھی لیکن بعد میں کسی وجہ سے ناراض ہوکر اُس کو نکالدیا تھا۔ مقدونیہ جانے کے بعد اُس لڑکی کے بطن سے سکندر پیدا ہوا اور فیلقوس نے (اپنی لڑکی کی) بے عزتی چھپانے کی خاطر سکندر کے متعلق مشہور کرادیا کہ وہ میرا ہی لڑکا ہے اِس کے بعد ایران میں داراب کی کسی دوسری بیوی کے بطن سے دارا پیدا ہوا۔ لیکن داراب کے مرنے کے بعد سکندر نے (بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے) خود کو ایران کا حقیقی مالک سمجھکر اپنے چھوٹے بھائی دارا سے تخت چھین لینے کے لئے ایران پر حملہ کیا اور آخرکار اپنا موروثی حق حاصل کیا۔[1] دارا اور سکندر کا رشتہ ایرانیوں نے اِسطرح قایم کیا ہے:۔

داراب شاہِ ایران

کوئی ایرانی عورت	دختر فیلقوس شاہ مقدونیہ
دارا	سکندر اعظم
(آخری کیانی فرماں روا)	(شاہ یونان اور فاتح ایران)

[1] دیکھو۔ براؤن کی ہسٹری آف پرشیا جلد اوّل صفحہ (۱۱۹)

دوسری مثال سکندر کے حملہ کے بعد ایران کی متحدہ فوجی حکومت کا ایک عرصہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور چاروں طرف طوائف الملوکی پھیل گئی۔ کئی صدیوں کے بعد جب اردشیر نامی ایک جواں مرد نے پھر سارے ایران کو اپنے ماتحت کرلیا تو ایرانیوں نے اُس کو بھی اپنے قدیم شاہی سلسلہ کی نسل سے ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ "کارنامک ارتخشتر پاپکاں" اور "شاہنامہ فردوسی" دونوں میں اس کا تذکرہ کردیا گیا ہے کہ ساسان نے جو بہمن درازدست (کیانی) کی پانچویں پشت میں تھا پابک (شاہ فارس) کے دربار میں اعزاز حاصل کرکے اسکی بیٹی سے شادی کی جس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اردشیر تھا۔ اِسی شہزادے نے ساسانی خاندان کی بنا ڈالی اور اس طرح قدیم کیانی پھر ایران پر حکمران ہو گئے۔

چند اور مثالیں ساسانی خاندان کی طرح ایرانیوں نے بنی بویہ، سامانی اور زیادی خاندانوں کو بھی قدیم خاندان شاہی سے متعلق کردیا ہے چنانچہ ان کا خیال ہے کہ بنی بویہ ساسانی شاہنشاہ بہرام گور کی اولاد سے ہیں سامانی خاندان بہرام چوبیں (اوپر جس کا ذکر آچکا ہے) کی نسل سے ہے اور اسی طرح زیادی خاندان ساسانی بادشاہ قباد کی

اولاد ہے[1]

انہی مذکرہ مثالوں کے موافق سبکتگین کو بھی امام ابوالقاسم حمادی نے تاریخ مجدول میں یزدجرد آخری ساسانی فرماں روا کی نسل سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کا نسب نامہ اس طرح پیش کیا جاتا ہے:۔

سبکتگین بن جوق قراجکم بن قرا ارسلان بن قراملت بن قرانعمان بن فیروز بن یزدجرد شہریار فارس۔

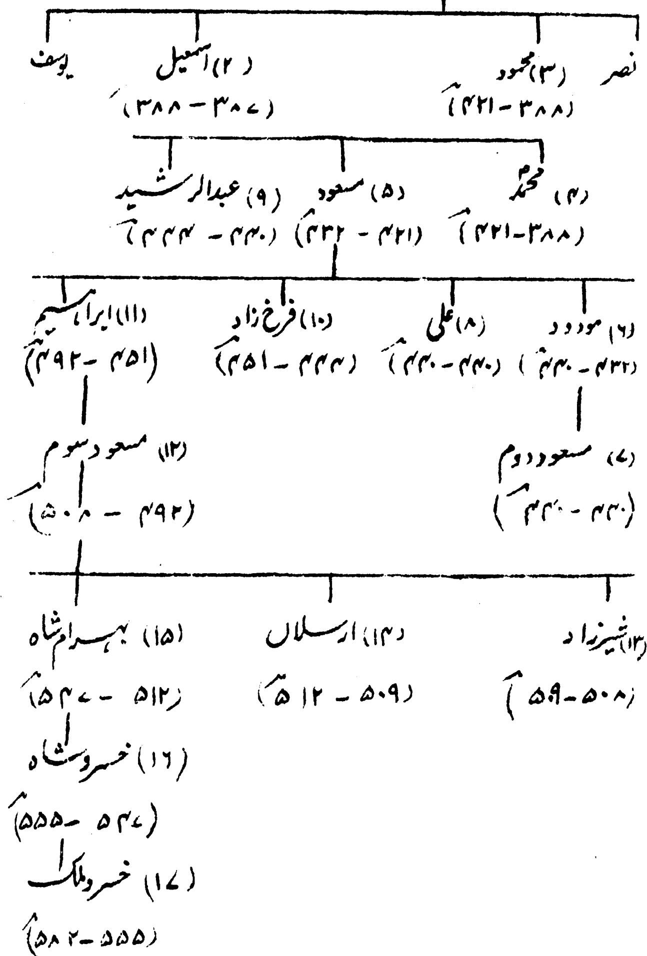
کہا جاتا ہے کہ جب مرو میں یزدجرد خلافت حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مارا گیا تو اس کی اولاد ترکستان بھاگ نکلی اور وہاں انہوں نے ترکی خاندانوں سے نسبتیں پیدا کریں، چنانچہ ایک دو پشتوں کے بعد یہ سب لوگ بالکل ترکی ہو گئے اور اُن کے قصر اب تک وہاں باقی ہیں[2]

سبکتگین نے غزنیں میں جس حکمران خاندان کی بنیاد ڈالی اس کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

---

[1] دیکھو براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم صفحہ (۹۱ اور ۱۰۳)

[2] دیکھو طبقات ناصری طبقہ (۱۱) صفحہ (٦)


(۱) سبکتگین (۳۶۶ – ۳۸۷ھ)
یوسف
(۲) اسمٰعیل
(۳۸۷ – ۳۸۸ھ)
(۳) محمود
(۳۸۸ – ۴۲۱ھ)
نصر
(۹) عبدالرشید
(۴۴۰ – ۴۴۴ھ)
(۵) مسعود
(۴۲۱ – ۴۳۲ھ)
(۴) محمد
(۳۸۸ – ۴۲۱ھ)
(۱۱) ابراہیم
(۴۵۱ – ۴۹۲ھ)
(۱۰) فرخ زاد
(۴۴۴ – ۴۵۱ھ)
(۸) علی
(۴۴۰ – ۴۴۰ھ)
(۶) مودود
(۴۳۲ – ۴۴۰ھ)
(۱۲) مسعود سوم
(۴۹۲ – ۵۰۸ھ)
(۷) مسعود دوم
(۴۴۰ – ۴۴۰ھ)
(۱۵) بہرام شاہ
(۵۱۲ – ۵۴۷ھ)
(۱۴) ارسلان
(۵۰۹ – ۵۱۲ھ)
(۱۳) شیرزاد
(۵۰۸ – ۵۰۹ھ)
(۱۶) خسرو شاہ
(۵۴۷ – ۵۵۵ھ)
(۱۷) خسرو ملک
(۵۵۵ – ۵۸۲ھ)

سامانی خاندان کا زوال اور عباسی سلطنت کے ساتھ غزنین کے تعلقات کی ابتدا

امیر ناصر الدین سبکتگین نے اگرچہ بیس اکیس سال تک حکومت کی (سبکتگین نے ۳۸۷ھ میں وفات پائی) اور بہت کچھ اقتدار حاصل کیا۔ لیکن اسوقت تک غزنین کا تعلق عباسی سلطنت سے کسی قسم کا نہ تھا بلکہ جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے سبکتگین نے خود کو سامانی حکمران (نوح) کا ماتحت اور مددگار ظاہر کیا ہے۔ سبکتگین کے بعد محمود نے اپنے بھائی اسمٰعیل کو شکست دیکر غزنین کا تخت حاصل کیا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے عباسی خلفاء کے ساتھ ذاتی تعلقات پیدا کئے۔

جس سال سبکتگین کا انتقال ہوا امیر نوح نے بھی وفات پائی۔ اس کے جانشین منصور نے بگتوزون کو خراسان کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا اور جس زمانہ میں محمود اپنے بھائی اسمٰعیل سے برسرپیکار تھا بگتوزون نے نیشاپور میں اپنے قدم جمائے۔ خانہ جنگی سے فارغ ہونے کے بعد جب محمود نے نیشاپور کا رُخ کیا منصور بن نوح سامانی اس کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ محمود۔ اگرچہ سامانی حکمران سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس بدنامی کے خوف سے کہ اپنے آقا سے انحراف کر کے اُس کا مقابلہ کیا۔ لڑائی سے باز رہا۔ لیکن اس کے بعد ہی جب بگتوزون نے

اپنے آقا منصور کو اندھا کر کے اُس کے بھائی عبدالملک (ایک کمسن لڑکے) کو تخت پر بٹھایا تو محمود کو غصہ آیا۔ وہ اس وقت آزاد تھا۔ چنانچہ اُس نے خراسان کو اپنے دشمن سے خالی کر لیا۔ اور عبدالملک بخارا بھاگ گیا۔ لیکن وہاں بھی وہ بچ نہ سکا۔ ایلک خان والی کاشغر نے جو ان واقعات کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ بخارا پر حملہ کر کے سامانی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد ایلک خان اور محمود میں صلح ہو گئی اور دونوں نے سامانی سلطنت کو آپس میں تقسیم کر لیا[1]۔ اس کے ساتھ ہی محمود نے اپنے نام کے ساتھ سلطان[2] کا لقب بڑھا لیا جس کے اختیار کرنے کو اس وقت تک کسی خود مختار حکمران کی جرات نہیں ہوئی تھی۔

جب سامانیوں کا درمیانی واسطہ اٹھ گیا۔ محمود کو براستہ دربار خلافت سے تعلق ہو گیا۔ عباسی خلفا اُس کو سامانی حکمرانوں کی جگہ سمجھنے لگے۔ چنانچہ ۹۹۹ء میں القادر باللہ نے اس کو خلعت اور خطاب امین الملۃ یمین الدولہ سے سرفراز فرمایا اور محمود نے سامانی حکمرانوں کی طرح خلیفہ کے اس حکم کو اپنا فرض منصبی قرار دیا کہ غیر مسلموں سے جہاد کرنا چاہیے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو نامۂ خسرواں صفحہ ۲۷، ۲۸۔

[2] دیکھو۔ حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم صفحات (۲۰ تا ۲۱)۔ سلطان کا لقب اختیار کرنے کے متعلق کئی قصے مشہور ہیں لیکن متذکرہ حوالہ میں جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲

جب الپتگین نے غزنیں کی حکومت آزادی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لی تھی ۳۵۱ھ (م ۹۶۲ء) بغداد میں المطیع خلیفہ تھا جب سبکتگین غزنیں کے تخت و تاج کا مالک بنا تو المطیع کا جانشین الطائع عباسی خلیفہ تھا، اور جب محمود بادشاہ ہوا تو الطائع کا جانشین القادر مسندِ خلافت پر متمکن تھا لیکن اول الذکر دونو خلفاء اور دونوں فرماں روایانِ غزنیں کے درمیان کوئی تعلقات نہ تھے کیونکہ اُس وقت سامانی حکومت بطور واسطہ کے تھی اور جب محمود غزنوی اور خلیفہ قادر باللہ کے زمانہ میں سامانی حکومت اختتام کو پہنچ گئی تو غزنیں اور بغداد میں براہِ راست تعلقات پیدا ہو گئے۔

سلطان محمود کے آبا و اجداد، اُس کی سلطنت، اور اُس کی سیاسی حالت پر ایک نظر ڈالنے کے بعد آیندہ فصل میں ہم اُس کی تخت نشینی سے قبل ایران کی جو علمی و ادبی حالت تھی اُس کے متعلق کچھ معلومات پیش کریں گے۔

———(۰)———

(۲)
سلطان محمود غزنوی سے قبل فارسی علم و ادب کی حالت

اسلام کے اثر سے ایرانیوں کے دل و دماغ میں علم و ادب کا شوق برقی رَو کی طرح دوڑ گیا۔ وہی ایرانی جو اپنی قومی حکومتوں کے زمانہ اور بالخصوص ساسانیوں کے عظیم الشّان دَور میں بھی معدودے چند علمی ادبی اور مذہبی یادگاروں کے علاوہ کوئی مہتم بالشّان کارنامہ نہیں پیش کر سکے، عربوں سے متاثر ہونے کے بعد متفرق علوم و فنون کا مرکز بن گئے[1] اور حقیقت یہ ہے کہ خود فاتحین کی مادری زبان میں اس شان اور کثرت سے کتابیں لکھیں کہ اُن خوددار عربوں

[1] تفصیل کے لئے دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل "ان حملة العلم فی الاسلام اکثرہم العجم"

کو بھی جو اپنے مقابلہ میں دوسری قوموں کو بے زبان سمجھتے تھے اُن کی اعلیٰ علمی، ادبی اور مذہبی خدمات کا اعتراف کرنا پڑا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عربوں کے حملے اور فتح کے ساتھ ہی ایرانیوں میں جو کچھ بھی علمی و ادبی قوتیں تھیں وہ سب ایک عرصہ کے لئے معطل سی ہو گئیں۔ لیکن جہاں سیاسی ہڑبونگ ختم ہوا اور اسلام کی صداقتیں عالمگیر اثر دکھانے لگیں، ایرانی محیطِ علم و فضل کی یہ خاموشی انگریزی کے اس مشہور مقولہ کے مطابق کہ "ہر جمود کے بعد ایک طوفان ہوتا ہے" ایک ایسے زبردست ہیجان اور تلاطم میں تبدیل ہو گئی جس نے بہت جلد فارسی زبان اور ادب کو دنیا کی ترقی یافتہ اور شگفتہ زبانوں کے پہلو بہ پہلو بٹھا دیا۔

فارسی زبان کا پہلا شاعر

ایران میں شاعری کی ابتدا کے متعلق محققین کی مختلف رائیں ہیں۔ لیکن حال ہی میں مولوی محمود خان شیرانی نے اس کے متعلق جو خیال رسالہ سہیل بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء میں پیش کیا ہے وہ زیادہ قابل لحاظ معلوم ہوتا ہے۔

یورپ کے مستشرقین بھی اب تک اس بارے میں صحیح رائے تک نہیں پہنچ سکے۔ ایران کے اکثر قدیم ترین مصنفین کا خیال

ہے کہ فارسی شاعری بہرام گور کے زمانہ سے پائی جاتی ہے۔ چنانچہ محمد عوفی نے "لباب الالباب" میں شمس الدین محمد بن قیس رازی نے "المعجم فی معائیر اشعار العجم" میں مسعودی نے "مروج الذہب" میں ابن خرداربہ نے "کتاب المسالک والممالک" میں قاسم بن سلام بغدادی کی سند پر کتاب "ہفت قلزم" (بحر سوم قلزم ہفتم) میں بہرام گور کے ایک ہی شعر کو متفرق طریقوں سے پیش کیا ہے لیکن مولوی محمود خان شیرانی اس کے متعلق اپنے مضمون (متذکرہ بالا) میں لکھتے ہیں:—

"کئی امور اس کے متعلق قابل لحاظ ہیں بہرام گور ۴۲۰ و ۴۳۸ء میں بر سر تخت تھا کیا اس عہد میں عربی شاعری وجود میں آئی تھی؟ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہرام نے نعمان بن منذر کے ہاں پرورش پائی تھی عربی زبانوں سے واقف تھا لیکن روایت انہی ماخذ سے آرہی ہے جن میں یعرب بن قحطان کو عربی کا اور حضرت آدم کو سریانی کا پہلا شاعر مانا گیا ہے۔"[1]

غرض اولین فارسی شاعر کے متعلق اختلافات ہیں۔ شیرانی نے اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فارسی میں سب سے پہلے شعر کہنے والے عرب شعرا ہی تھے اور یہ بھی کہ فارسی زبان میں شاعری کی ابتدا پہلی

---

[1] دیکھو رسالہ سہیل بابت ماہ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ (۳۶)

صدی ہجری ہی سے ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے ابن قتیبہ کی "طبقات الشعرا" طبری کی "تاریخ الرسل والملوک" اور ابو الفرج اصفہانی کی "کتاب الاغانی" کے حوالوں سے یہ ظاہر کیا ہے کہ یزید ابن مفرغ یمنی نے یزید ابن معاویہ اول کے زمانہ میں فارسی شعر کہے تھے۔ اسی طرح طبری کی "تاریخ کبیر" میں ۱۰۸ھ کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ جب والی بلخ اسد ابن عبداللہ قسری خاقان سے شکست کھا کر بلخ میں واپس آیا تو بلخیوں نے جو خاقان کے ہمدرد تھے خوشی منائی اور کوچہ و بازار میں والی بلخ کی مذمت میں اشعار گاتے پھرے جن کو طبری نے نقل بھی کیا ہے اسی طرح کتاب المسالک والممالک (حدود ۲۳۰) میں ابن خرداذبہ نے ابو الیقظان عباس بن طرخان کے (شہر سمرقند کے متعلق) مثنوی کی طرز کے بعض اشعار نقل کئے ہیں۔ ایک اور عربی شاعر محمد بن البعیث بن حلبیس (متوفی ۲۳۵ھ) کے اشعار کا ذکر بھی طبری نے کیا ہے نیز ابو الاشعث قمی کی فارسی ابیات کا ذکر بھی معجم الادبا میں کیا گیا ہے۔[1]

فارسی شاعری کی ابتدا خواہ کسی زمانہ سے کیوں نہ ہوئی ہو اور خواہ اس کے بانی عرب ہوں یا ایرانی یہ امر متیقن ہے کہ باضابطہ ایرانی شاعری کی ابتدا اسلام اور مسلمانوں ہی کی مرہون منت ہے۔ قدیم ترین شعرائے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو سہیل جلد اول نمبر اول مضمون محمود شیرانی۔

فارسی میں عباس مروزی کے علاوہ حنظلہ بادغیسی، محمود وراق، فیروز مشرقی اور ابو سلیک گرگانی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عباس مروزی کے ان اشعار پر جن کے متعلق عوفی نے لکھا ہے کہ مامون کے دربار میں مدح کے طور پر پڑھے گئے۔ پروفیسر براؤن کو اعتماد نہیں وہ بعض دیگر مستشرقین کے اس امر میں ہم آہنگ ہیں کہ یہ روایت دراصل غلط ہے[1]۔

ایران کے اولین شعرا کے متعلق تفصیلی معلومات "لباب الالباب" حصہ دوم صفحات ۲ اور ۳ "شعر العجم" حصہ اول صفحات ۱۵ تا ۱۷ اور براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران" حصہ اول صفحات ۴۵۱ تا ۴۵۵ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

سامانی خاندان کا علمی و ادبی ذوق و شوق

اگرچہ اول اول فارسی علم و ادب کا نونہال عباسی درباروں ہی میں نشو و نما حاصل کرتا رہا۔ لیکن اس کے اصلی گہوارے بغداد سے بہت دور تھے۔ جب دارالخلافت کی سیاسی اور خانگی کشمکشوں نے عباسی حکمرانوں کو اس نونہال کی طرف سے بے پروا ہونے پر مجبور کر دیا تو جہاں ایران میں مختلف قومی اور مقامی حکومتیں قائم ہو ہو کر عباسی اقتدار و عظمت کو آپس میں تقسیم کرنے لگیں اس کے ساتھ ہی انھوں نے اُن کی علمی قدردانی کی تقلید شروع کی۔ ان جدید حکومتوں میں سب سے زیادہ

[1] دیکھو تاریخ ادبیات ایران براؤن جلد اول صفحات ۳۶۱ [illegible]

فارسی علم و فضل کی قدردانی کی وہ خراسان کی سامانی حکومت تھی جس کو خلیفہ اور دارالخلافت سے بہت دور ہونے کے باعث اپنی قلمرو میں ہر قسم کی آزادانہ کارروائی کرنے کا موقع حاصل تھا۔

یہ سامانی حکمران تھے جنھوں نے فارسیت کو خاص طور پر عروج بخشا وہ خود کو ہر طرح سے ساسانیوں کے جانشین ثابت کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہر اُس چیز کی جو خالص ایرانی ہوتی تھی خاص طور پر قدر کی عربیت کا جو گہرا اثر ایران اور ایرانیوں پر پڑ چکا تھا اس کا ردعمل کرنا چاہا قدیم ایرانی معاشرت کے احیا کی کوشش کی اور ایرانیوں کے دل میں اس بات کو جاگزیں کر دیا کہ اب پھر قدیم ایرانی قومی سلطنت از سرِ نو زندہ ہو گئی ہے۔

اِس سلسلہ میں سب سے پہلے انھیں جس کام کی طرف توجہ کرنی پڑی وہ علما اور شعرا کی سرپرستی اور قدردانی تھی رودکی جو فارسی شاعری کا ابوالآبا سمجھا جاتا تھا اسی دربار کا دست پرورد تھا[1] شعرائے سامانیہ کی تعداد اگرچہ سینکڑوں تک پہنچتی ہے لیکن محمد عوفی نے جن خاص خاص شاعروں کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہیں[2]

۱۔ شہید بلخی ۔ ۲۔ ابو عبداللہ محمد فرالاوی ۔ ۳۔ ابو شعیب صالح ہروی

۴۔ ابو عبداللہ جعفر رودکی ۵۔ ابوالعباس الفضل ربنجنی (۶) ابو ذراعہ

[1] شعر العجم حصہ اول صفحہ (۱۸) [2] تفصیل دیکھو عوفی کی لباب الالباب حصہ دوم صفحہ (۲تا۸)

معمری جرجانی ۷۔ ابواسحاق بخاری جوئباری ۔ ۸۔ ابومنصور محمد دقیقی ۹۔ محمد ترمذی فنجیک ۱۰۔ ابوالحسن علی الغزالی کوکری ۱۱۔ منصور منطقی ۱۲۔ محمد خسروی سرخسی ۱۳۔ زیاد قمری جرجانی ۱۴۔ ابوطاہر خسروانی ۱۵۔ ابوشکور بلخی ۔ ۱۶ ابوعبداللہ محمد ابو لوالحی ۱۷۔ ابومحمد البدیع البلخی ۱۸۔ ابوالمظفر نصر استغنائی نیشاپوری ۱۹۔ ابوعبداللہ جنیدی ۲۰۔ عمارہ مروزی ۔ ۲۱۔ ترکی کش ایلاقی ۲۲۔ ابوالمثل بخاری ۲۳۔ ابوالموید بلخی ۲۴۔ ابوالموید رونقی بخاری ۲۵۔ مصفری بخاری ۲۶۔ خبازی نیشاپوری ۔ ۲۷۔ سپہری ماوراءالنہری ۔

شبلی نے عروضی سمرقندی کے حوالہ سے شعرالعجم جلد اول صفحہ ۱۲ میں سامانی شعرا کے جو نام پیش کئے ہیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ ابوالعباس ۔ ۲۔ ابوالمثل ۳۔ ابواسحاق جوئباری ۔ ۴۔ ابوالحسن ۵۔ خبازی نیشاپوری ۔ ۶۔ ابوالحسن کسائی ۷۔ شہید بلخی ۔ ۸۔ ابوالموید ۔ ۹۔ ابوعبداللہ فرالادی ۔ ۱۰۔ رودکی ۱۱۔ دقیقی ۱۲۔ رابعہ فراداری ۱۳۔ ابوذر ۔ ۱۴۔ ابوالمظفر نصر بن محمد نیشاپوری ۱۵۔ عمارہ مروزی ۔ ۱۶۔ طحازی ۱۷۔ افرادی ۔

فارسی علم وادب کے پنگھوڑے

خراسان اور سامانی فرماں رواؤں کے علاوہ جہاں جہاں ابتداءً فارسی شعروشاعری

اور فارسی علم و فضل کی قدردانی کی گئی اُن کا اجمالی ذکر یہ ہے۔

(۱) طبرستان :- (جو آج کل گیلان اور مازندران کہلاتا ہے اور جو بحر اخضر اور کوہ البرز کے درمیان واقع ہے)۔ یہ علاقہ خراسان کی طرح دور ہونے کے باعث خلیفہ اور دارالحکومت کے عربی اور اسلامی نقوش سے بہت زیادہ متاثر نہ ہو سکا۔ پہلے تو یہاں زرتشتی مذہب کے موبد اپنے ساسانی آقاؤں کے زوال اور فاتحوں کے دورِ حکومت کے ایک عرصہ بعد تک بھی حکمران رہے۔ جس کی وجہ سے ان پر عربی اثر مستولی نہ ہو سکا۔ ان کے بعد علوی خاندان کے شیعوں نے بھی جو خلافت کے خلاف امامت کے مدعی تھے اپنے ایرانی ہمدردوں کی خاطر اپنی نسلی عربیت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اور ایرانیت میں محو ہو گئے۔ اسی اثناء میں جب مرداویج ابن زیاد نے جرجان میں اپنی حکومت قائم کر لی (۳۱۶ھ) اور بہت جلد اپنے اطراف کے علاقوں کو اپنے قبضہ میں لانے کے بعد ایک زمانہ تک خلفائے بغداد اور ساسانی حکمرانوں سے علیحدہ رہکر حکمرانی کی تو ایک خاص قسم کی ادبی ترقی دیگر سیاسی ترقیوں کے ساتھ طبرستان میں نمودار ہو گئی اگرچہ یہاں عربی علم و فضل کی طرف بھی توجہ کی گئی۔ لیکن فارسی اور خود طبرستانی بولی میں بعض خاص کارنامے پیش کئے گئے۔ یہیں کے ایک مورخ ابن اسفندیار نے جو تیرھویں صدی کے نصف اول میں گزرا ہے

یہاں کے علمی وادبی کارناموں پر خاص روشنی ڈالی ہے[1]۔ اس خاندان کے حکمرانوں میں ظہیر الدولہ ابو منصور وشمگیر (۳۲۳-۳۵۶ھ) شمس المعالی قابوس بن وشمگیر (۳۶۶ - ۴۰۳ھ) اور فلک المعالی منوچہر (۴۰۳-۴۲۰ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

زیادی خاندان کے شعرا میں ابوالقاسم زیاد بن محمد قمری جرجانی اور ابوبکر محمد بن علی خسروی سرخسی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں[2] خصوصًا موخر الذکر شاعر کو قابوس ابن وشمگیر نے متعدد قدر دانیوں کے ذریعہ سے اپنا مرہون منت بنالیا تھا۔

۲- بویہی خاندان اگرچہ ایرانی النسل اور شیعی المذہب تھا اور اگرچہ اس کے بعض امرا نہایت ہی روشن دماغ واقع ہوئے تھے لیکن اس کے ذریعہ سے فارسی علم وفضل کی اتنی قدرو منزلت نہیں ہوئی جتنی کہ عربی کی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادی اور سامانی خاندانوں کے خلاف اس خاندان کو خلیفہ اور خلافت سے زیادہ تعلقات رکھنے پڑے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ عربی میں رنگا جاتا تاہم اس کے درباروں میں فارسی شعرا بھی موجود تھے۔ جن میں سے دو کا ذکر فارسی کے قدیم تذکرہ نگار محمد عوفی نے بھی کیا ہے[3]

[1] تفصیل کے لئے دیکھو براؤن کی تاریخ ادبیات ایران جلد دوم صفحات ۱۳۲ اور ۱۴۹ [2] دیکھو محمد عوفی کی لباب الالباب جلد دوم صفحات (۱۸ اور ۱۹) [3] دیکھو محمد عوفی لباب الالباب جلد دوم صفحات (۱۸ اور ۱۹)

اس خاندان کے فیاض وزیر صاحب کافی الکفاۃ ابوالقاسم اسمعیل ابن عباد نے دو شاعروں منصور بن علی المنطقی الرازی اور محمد بن علی خسروی سرخسی کی بزرگداشت کی منطقی وہ شخص ہے جس کے اشعار کے عربی ترجمے کے ذریعے سے صاحب نے مشہور عربی انشاپرداز بدیع الزماں الہمدانی کی عربی لیاقت کا امتحان لیا تھا[1] اس زبردست وزیر کی فیاضیوں پر کافی روشنی ڈالنے کے لیے فرصت کی ضرورت ہے ہمارے اس موضوع کے حدود اس قدر وسیع نہیں ہیں کہ ہم اس پر کوئی تفصیلی نظر ڈال سکیں ۔

۳ - زیادی اور بویہی خاندانوں کے علاوہ چغانی درباروں میں بھی فارسی شعر و شاعری کی قدر کی گئی چنانچہ شاعر دقیقی . جو شاہنامہ کی ابتدا کرنے کے باعث مشہور ہے ۔ پہلے اسی خاندان کا متوسل تھا ۔ اس نے امیر ابوسعید محمد مظفر محتاج چغانی کی مدحت سرائی کی ہے ۔ دقیقی کے علاوہ ایک اور شاعر ابوحسن محمد ترمذی منجیک بھی اس خاندان کا شاعر ہے ۔ امیر فاضل مفضل ابوالمظفر طاہر بن فضل بن محمد مظفر منجیک کا قدردان اور مربی تھا ۔

موجودہ فارسی نثر کی ابتدا فی الحال اس امر کا کوئی قطعی تصفیہ کرنا دشوار ہے کہ موجودہ فارسی نثر کی

[1] دیکھو براؤن تاریخ ادبیات ایران جلد دوم صفحہ (۹۴)

عبارتیں کس وقت سے لکھی جانی شروع ہوئیں۔ بہت ممکن ہے کہ عربی فتح کے بالکل بعد ہی سے ایران کے نومسلم اپنی مادری زبان کو اپنے مذہب کی زبان (عربی) کے رسم الخط میں لکھنے کی طرف راغب ہوگئے ہوں گے۔ کیونکہ یہ ان کے لئے بہ نسبت پہلوی لکھنے اور پڑھنے کے بہت آسان تھا۔

عربوں کے حملہ کے بعد ایرانی زبان میں جو انقلاب ہوا وہ بظاہر نہایت اہم نظر آتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت ایران کی قدیم زبان میں کوئی بڑا اور اصولی تغیر نہیں ہوا، بلکہ صرف رسم الخط بدل گیا، ۔ جو بہ نسبت گزشتہ رسم الخط کے (یعنے پہلوی) سے زیادہ سہل الحصول اور سود مند تھا۔ اگر کسی پہلوی کتاب کو نہر وارش طریقہ پر نہ لکھکر موجودہ فارسی خط میں لکھا جائے تو ان دونوں میں لغت کے لحاظ سے بہت کم فرق ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی پہلوی کتاب کو کوئی زرتشتی موبد بآواز بلند پڑھے۔ اور آج کل کا کوئی مسلمان اُس کو عربی رسم الخط میں لکھتا جائے تو وہ آخر کار موجودہ فارسی کی ایک ایسی کتاب بن جائے گی۔ جس میں عربی عنصر مطلق نہو، اس کے برخلاف پہلوی سے اس کے قبل کی زبان کی حیثیتوں سے بالکل جدا گانہ تھی۔ ساسانی دور کا کوئی ایرانی، تہدا یرانی نمیدد کی

یا ہخامنشی دور کی زبان قطعاً نہیں سمجھ سکتا حالانکہ وہ موجودہ فارسی کو بہت کچھ سمجھ لیگا۔

پہلوی کے بہت جلد مفقود ہو جانے اور اس کی جگہ موجودہ فارسی (خصوصاً رسم الخط) کے رائج ہونے کے متعلق کئی اسباب قرار دئیے جا سکتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا سبب مذہبی اثر ہے عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ مذہب کی جو زبان ہوتی ہے اسی کو تمام اہل مذہب اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اگر وہ مذہب کی زبان کو پوری طور پر اختیار نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کے رسم الخط کو ضرور اختیار کر لیتے ہیں[1] مثلاً

۱۔ شام کے عربی بولنے والے عیسائی عربی رسم الخط میں لکھنے کی جگہ عربی کو شامی رسم الخط میں لکھتے ہیں۔

(۲) ترکی بولنے والے ارمنی و یونانی ترکی رسم الخط استعمال نہیں کرتے بلکہ اکثر ترکی زبان کو ارمنی و یونانی حروف میں لکھتے ہیں۔

(۳) ایران کے یہودی اگرچہ ایرانی زبان بولتے تھے لیکن لکھتے عبرانی رسم الخط میں تھے۔ چنانچہ ان کا ایک خاصہ ادب ہے جو اگرچہ فارسی زبان میں ہے لیکن عبرانی رسم الخط میں لکھا ہوا ہے۔

---

[1] دیکھو پروفیسر براؤن تاریخ ادبیات ایران جلد اول صفحات (۸ و ۹)

۴ - ہسپانیہ کے مور باشندے جنھوں نے عربی بولنا اگرچہ کبھی کے فراموش کر دیا تھا۔ لیکن لکھتے عربی رسم الخط میں تھے۔ اسی طرح ایرانی اگرچہ اپنی قدیم زبان بولتے رہے لیکن انھوں نے لکھنا اپنے جدید مذہب کی زبان (عربی) کے رسم الخط میں شروع کیا۔

جدید فارسی رسم الخط کے رائج ہو جانے کا ایک دوسرا سبب یہ ہے کہ اسلامی اثر سے پہلے پہلوی زبان میں یوں بھی بہت کم لوگوں کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ صرف مذہبی موبد اور علماء و فضلاء لکھنا جانتے تھے اسلام کی وجہ سے جب علم عام ہوا اور کسی خاص فرقہ تک محدود نہ رہا تو بہت سے ایرانیوں نے لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کی اور چونکہ اکثر کا مذہب اسلام ہو گیا تھا۔ اس لئے سہولت سے اسی کی زبان کے رسم الخط میں لکھنا شروع کیا۔ پہلوی کا لکھنا دشوار بھی تھا۔ وہ آسانی سے ذریعہ بیان نہیں بن سکتی تھی چنانچہ جب شاپور جند شاپور کے قریب پہنچا اور وہاں شہر آباد کرنے کے متعلق ایک بوڑھے سے رائے لی تو اس نے جواب دیا کہ "اگر میں اپنی اس کبر سنی میں لکھنا سیکھ سکتا تو تم کو بھی یہاں شہر آباد کرنے کی اجازت مل سکتی" پہلوی میں خاص بات یہ تھی کہ لکھتے کچھ تھے اور پڑھتے کچھ مثلاً لکھتے تھے "گبر" اور پڑھتے تھے "مرد"

اگر مردم کہنا ہوتا تو لکھتے "گرم" اسی طرح لکھتے تھے "ابتر" پڑھتے تھے "پدر"۔ رسم الخط اور تلفظ کے اختلاف کی بنا پر پہلوی کے متعلق یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ "وہ خیالات کے مخفی رکھنے کا ایک ہنر ہے"[1] غرض اس قسم کے اسباب تھے جن کے باعث پہلوی رسم الخط بہت جلد معدوم ہوگیا اور موجودہ فارسی رسم الخط کی ابتدا ہوئی۔

مشرق میں عام طور پر زبان کو مذہب سے گہرا تعلق رہا ہے۔ چنانچہ فارسی میں بھی غالباً اسلامی اصول و عقاید ہی سے نثر کی ابتدا ہوئی۔ لطف یہ ہے کہ اس ابتدائی فارسی اور کئی صدیوں بعد کی فارسی میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔ بعض قدیم ترین مصنفین کے کارناموں میں اس قسم کی تحریریں پائی جاتی ہیں جن کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخری ساسانی اور ابتدائی اسلامی زمانہ کی فارسی تقریباً وہی تھی جس میں موجودہ فارسی نثر کی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ غرض معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً فارسی زبان میں کوئی زیادہ تغیر نہیں ہوا۔

فارسی نثر کی اولین کتابیں | پانچویں صدی ہجری تک بھی فارسی نثر میں بہت کم کتابیں لکھی گئیں۔ اس سے

---

[1] دیکھو پروفیسر براؤن تاریخ ادبیات ایران جلد اول صفحات ۱۰، ۴ و ۷)

قبل کی جو کتابیں اس وقت تک دریافت ہوئی ہیں یا مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ طبری کی مشہور "تاریخ الامم والملوک" کا فارسی ترجمہ جس کو ابو علی بلعمی نے منصور اول سامانی کے حکم سے ۳۵۲ھ (م ۹۶۳۔ ۹۶۴ء) میں کیا تھا۔

۲۔ طبری کی تفسیر کا ترجمہ۔

۳۔ ابو منصور موفق بن علی ہراتی کی قرابادین "کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ" جو منصور اول ہی کی فرمایش پر لکھی گئی تھی اس کا ۴۴۷ھ م ۱۰۵۵ یا ۱۰۵۶ء) کا لکھا ہوا ایک نسخہ ویانا میں پایا گیا تھا۔ جس کو سلگمن (   ) نے ۱۲۷۶ھ (م ۱۸۵۹ء) میں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ شایع کیا۔

۴۔ قرآن کی ایک قدیم تفسیر کا حصہ دوم جو کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے اور جو متذکرہ بالا کتابوں کے ساتھ ہی یا ان کے قریب ترین زمانہ میں لکھا گیا تھا۔

۵۔ خدائے نامہ کا فارسی ترجمہ جس کو منصور بن نوح کے زمانہ میں طوس کے حاکم ابو منصور بن عبد الرزاق معمری نے کیا مشہور ہے کہ حاکم طوس نے اس کام کیلئے چار مجوسی موبدوں کو بھی جمع

کیا تھا [1]

۶ - دانش نامہ علائی - جس کو ابو علی ابن سینا نے عضد الدولہ اصفہانی (متوفی ۴۳۴ھ م ۱۰۴۲ء) کے لیئے لکھا تھا۔

۷ - خجستہ نامہ بہرامی } یہ دونوں کتابیں فن عروض و بلاغت
۸ - ترجمان البلاغہ فرخی } سے متعلق ہیں اور ۴۵۰ھ (م ۱۰۵۸ء) کے قریب لکھی گئی ہیں۔

ان موخر الذکر تین کتابوں کے علاوہ تمام کتابیں سامانیوں کی علمی قدردانی اور سرپرستی کے نتیجے ہیں۔ یوں تو اس خاندان کے تمام حکمران روشن خیال اور علم پرور تھے لیکن ساتویں فرماں روا منصور بن نوح کے زمانہ میں یہ روشن خیالی اور علم پروری معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ منصور کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فارسی زبان میں باضابطہ نثر نگاری کی ابتدا کی۔ چنانچہ طبری کی تاریخ اور تفسیر دونوں کا ترجمہ اسی کے حکم سے ہوا [2]۔ اور قرابادین بھی اسی کی فرمایش پر لکھی گئی تھی۔

سامانی کتب خانہ | سامانیوں کی خدمات علم و ادب کے تذکرہ کے ضمن میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان کے

---

[1] دیکھو حکیم شمس لبھر قادری آثار الکرام مطبوعہ اردو جلد سوم حصہ (۱) صفحہ (۲۶۰) [2] دیکھو تفصیل کیلیئے فارسی نثر کا آغاز اور ابو علی بلعمی از راقم مطبوعہ مجلہ عثمانیہ جلد اول نمبر (اول)

ایک حکمران نوح بن نصر نے فلسفہ و حکمت اور دیگر علوم و فنون کا جو کتب خانہ جمع کیا تھا اس کی نسبت علامہ ابن خلکان نے بوعلی سینا کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے

"کانت عدیم المثل فیہا من کل فن من الکتب المشہورۃ۔ بایدی الناس وغیرہم ما لا یوجد فی سواہا ولا سمع باسمہ فضلاً عن معرفتہ۔ ترجمہ یہ کتب خانہ بے نظیر تھا۔ اس میں متداول اور مشہور کتابوں کے علاوہ وہ کتابیں بھی تھیں جو اس کتاب خانہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتی تھیں اور جن کا جاننا تو درکنار کسی نے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔" [۱]

فلسفہ یونان کی بے شمار تصنیفات خلفائے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔ لیکن اکثر ترجمے نامفہوم اور مشتبہ تھے اور جن کتابوں کے متعدد ترجمے ہوئے تھے وہ باہم مختلف تھے نوح بن نصر نے حکیم ابونصر فارابی کو بلا کر فرمائش کی کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھکر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کر دے۔ چنانچہ فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اس کتاب کا نام تعلیم الثانی رکھا اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیئے کہ حکمائے اسلام میں فارابی نے معلم ثانی کا جو لقب اختیار کیا ہے وہ اسی کی بدولت ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتب خانہ جل گیا۔ اور چونکہ اس کتاب کا

۱۔ ماخوذ از شبلی شعرالعجم حصہ اول صفحہ (۲۹)

اصل مسودہ فارابی کے ہاتھ کا ضایع ہوگیا۔ اس لئے آج یہ بے نظیر کتاب ناپید ہے۔ لہ

شاہ نامہ کی ابتدا شبلی نے شعرالعجم حصہ اول (صفحہ ۳۶) میں تذکرہ ہفت اقلیم اور مجمع الفصحاء کے حوالہ سے حسب ذیل عبارت لکھی ہے "سلسلہ سامانیہ کے ہر فرمان روا کا عہد اگرچہ بام ترقی کا ایک نیا پایہ ہے لیکن نوح بن منصور کا زمانہ آخر السنا زل ہے یہ فخر اسی دور کو حاصل ہے کہ عجم کا سرمایہ فخر و ناز یعنے شاہنامہ جس کو ابن الاثیر قرآن العجم لکھتا ہے اس کا ابتدائی خاکہ اسی عہد میں قایم ہوا اور اگر ایک اتفاقی واقعہ پیش نہ آجاتا تو سلطان محمود کے کارناموں کی فہرست شاہنامہ کے نام سے خالی رہ جاتی" سامانی خاندان ابتدا سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ ان کے اسلاف کی داستان نثر سے نظم ہو کر عام زبانوں پر چڑھ جائے لیکن ابھی شاعری نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ ایک عظیم الشان تاریخی سلسلہ شعر کے قالب میں آجائے۔ نوح بن منصور جب ۳۶۵ھ میں تخت نشین ہوا تو پایہ تخت یعنے بخارا میں بڑے بڑے شعرا موجود تھے۔ ان میں دقیقی خاص پایہ تخت کا رہنے والا تھا.....

لہ ماخوذ از شبلی شعرالعجم حصہ اول صفحہ (۱۹)

...جب اس کا کمال مشہور ہوا تو نوح نے دربار میں بلا کر شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد کی۔ دقیقی اپنے زور بازو کا اندازہ کر چکا تھا اس نے یہ خدمت قبول کی اور کم و بیش ہزار شعر لکھے بعضوں کا بیان ہے کہ صرف ایک ہزار شعر تھے جو شاہنامہ میں داخل ہیں"۔

شبلی کی اس عبارت پر مولوی محمود شیرانی نے ایک خاص تنقید کی ہے[1] اور کافی تحقیق اور غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ :-

"اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ دقیقی اور رودکی
"معاصر ہیں۔ دوسرے یہ کہ شاہنامہ ابوالفضل بلعمی کے حکم سے
"دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا۔ اس طرح سے سامانیوں
"کی علمی فتوحات کی فہرست سے یہ کارنامہ بھی جس کے لئے
"مولانا شبلی ان کے ثنا خوان معلوم ہوتے ہیں۔ خارج ہوا
"جاتا ہے"۔

فارسی ادب کو پروفیسر شیرانی کا ممنون ہونا چاہئے کہ انھوں نے شاہنامہ کی ابتدا کے متعلق کافی مواد جمع کرنے کے بعد نہایت ہی مفید معلومات کا اضافہ کیا۔ لیکن ان کی متذکرہ بالا عبارت کے

---

[1] دیکھو رسالہ اردو بابت اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحات (۱۴ تا ۲۰ ۵)

آخری حصہ کے متعلق ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اگر شاہنامہ کی ابتدا نوح بن منصور کی فرمایش پر نہیں ہوئی بلکہ وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمایش پر ہوئی تب بھی اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاہنامہ کی ابتدا سامانی دور ہی کی مرہون منت ہے ۔ کیونکہ آخر ابوالفضل بلعمی بھی تو اسی خاندان کا وزیر تھا ۔

فارسی علم و ادب پر سامانی دور کا اثر

سامانیوں کا عہد حکومت اگرچہ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا سے بہت پہلے زوال پذیر ہو چکا تھا لیکن ان کے کارناموں کے اثر سے ایرانی علم و ادب کی تاریخ کم و بیش اور دو صدیوں تک مہتم بالشان بنی رہی ۔ گویا ان کا عہد ایک گہوارہ تھا جس میں فارسی علم و ادب کا نونہال بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش پاتا رہا ۔ اور جب اس عہد کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا ۔ تو وہ اسوقت اس عمر تک پہنچ چکا تھا اور اس قابل بن گیا تھا کہ اپنی آپ بزرگداشت کر سکے ۔ چنانچہ جب سامانی مربی باقی نہ رہے تو یہ نوجوان نہ صرف زندہ رہا بلکہ اپنی ذات میں کچھ اسی قسم کی خوبیاں اور دلکشیاں پیدا کرلیں کہ آنے والے حکمرانوں کو یکے بعد دیگرے اسے اپنے اپنے درباروں میں جگہ دینی پڑی اور نہ صرف جگہ دینی پڑی بلکہ وہ اسکی تعظیم آؤ بھگت کرنے پر بھی مجبور ہو گئے ۔

۳

سلطان محمود اور فارسی علم و ادب

محمود کی تخت نشینی کے زمانہ میں ایران کی علمی و ادبی فضا

سلطان محمود کی تخت نشینی کا زمانہ ایک ایسا درمیانی زمانہ ہے جس میں ایک طرف تو عربوں اور عربیت کی رہی سہی عظمت ایرانیوں کے دل و دماغ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافور ہو جاتی ہے اور دوسری طرف ایرانی قومیت کی بزرگداشت کا خیال اور فارسی زبان کی قدر و منزلت ہر شخص کے دل میں خواہ وہ ترک ہو یا افغان برقی رو کی طرح دوڑ جاتی ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مسلمانوں کی ذہنیت میں ایک زبردست

انقلاب طوفانی رفتار اور سیلابی تبدیلیوں کے ساتھ پیدا ہوتا جارہا تھا۔ اسلامی معتقدات کی گرما گرمی فرقہ جاتی اور مقامی اثرات کی سرد مہریوں میں پناہ لینے لگی تھی۔ خلیفہ کا دربار اور دارالخلافت کے در و دیوار متفرق علوم و فنون کے گہوارے بنے ہوئے تھے۔ چونکہ اسلام کے فتحمند پرچم بجائے نئی نئی فضاؤں میں لہرانے کے فتوحات ماضیہ کی یادگار میں چند محدود میدانوں میں بطور تبرک کے کھڑے کر دئے گئے تھے، مسلمان علماء و فضلا غیر مسلموں کے لئے تبلیغ اسلام اور درس و تدریس میں مشغول رہنے کی جگہ آپس میں ایک دوسرے کی بساط فہم و لیاقت کی آزمایش میں سرگرم تھے اور بجائے قرآن و حدیث کی تعلیم و تلقین کے افلاطون و ارسطو کی کتابوں کے ترجمے اور اُن پر بحث و مباحثہ کرنے میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ نہایت مضر ہوا یعنے اسلامی اتحاد و یگانگت حرف غلط کی طرح محو کر دیا گیا۔ عام مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے تقدس کا وہ خیال باقی نہ رہا جو پہلی صدیوں میں تھا۔ اگرچہ مسلمان بظاہر اسلام کے تمام ارکان کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے لیکن ان کے دل میں وہ اسلامی جوش باقی نہ رہا تھا جس کے باعث انھوں نے بہت جلد ایران کی جملہ مقبوضات کے علاوہ مصر اور اندلس میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دئے تھے۔

امین و مامون کے جھگڑے نے عباسی سلطنت کے سیاسی پہلو میں ایک ایسا رخنہ ڈال دیا تھا جس کے مضر نتائج سے اس سلطنت کے اقتدار و عظمت کا جہاز ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ گیا۔ یہ مامون اور معتصم کی زبردست گرفت تھی جس نے اس کو فوراً ڈوب جانے سے ایک عرصہ کے لئے بچا لیا۔ طاہر ذوالیمینین کی خونخوار آنکھیں مامون کو ہمیشہ اپنے بھائی کی دردانگیز موت کی یاد دلاتی تھیں اس لئے اُس نے طاہر کو خراسان کا صوبہ دار بنا کر بظاہر تو ایک کانٹے کو دور کیا لیکن دراصل ایک ایسے زبردست طوفان کا سامان کیا جو ترقی کرتے کرتے اس درجہ خطرناک ہو گیا کہ آخر کار اُس کے تیز و تند جھونکوں میں عباسی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

طاہریوں کے بعد سامانیوں، زیاریوں، چغانیوں۔ اور بویہوں کے خاندان ایران کے مختلف علاقوں میں حکمران ہوئے اور اقتدار کی خاطر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہنے لگے۔ اس طوائف الملوکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنتیں بن بن کر بگڑنے لگیں اور شہر آباد ہو ہو کر تباہ ہونے لگے۔ اسی اثناء میں دارالخلافہ کی عرب اور ایرانی کشمکش نے عربی نژاد خلفاء کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک طاقت ور

غیر قوم سے مدد حاصل کریں۔ یہ مدد کرنے والے ترکی تھے۔ جو معمولی
سپاہیوں اور غلاموں کی حیثیت سے بغداد کے عالی شان محلوں میں
داخل ہوئے۔ لیکن چند ہی سال میں نہ صرف بغداد بلکہ تمام مشرقی
اسلامی ممالک اور دارالحکومتوں پر سپہ سالاروں اور حاکموں کی
حیثیت سے چھا گئے۔ جب ترکوں کا زبردست پنجہ ایرانی ملک
و مال پر قابض ہو گیا، ایرانیوں کے لیے سوائے علم و ادب کے کوئی
اور میدان طبعی جولانیاں دکھانے کے لئے باقی نہ رہا۔ چنانچہ محمود
کی تخت نشینی کے وقت ایرانی اس قسم کی ترقیوں کی ابتدا کر چکے تھے۔
اگرچہ محمود کی تخت نشینی کے وقت ایران کی سیاسی حالت سخت
کشمکشوں میں مبتلا تھی نیز اسلام اور اسلامی معتقدات کی جگہ فرقہ بندیوں
اور ایرانی طرز معاشرت نے زور پکڑ لیا تھا۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی
انکار نہیں کر سکتا کہ ہر طرف متفرق علوم و فنون کی ترقی کا بازار
گرم تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ طوائف الملوکی کے باعث ایک خاندان
دوسرے خاندان سے ہر معاملہ میں ترجیح حاصل کرنے کی کوشش کرتا
تھا اور ہر حکمران کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ شعرا اور علماء و فضلاء کی تعداد
اُس کے دربار میں زیادہ ہو اور وہ اس کی زیادہ تعریف کریں اس لئے
وہ اُن کو دل کھول کر انعام و اکرام سے سرفراز کرتا۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ ہر جگہ شعر و شاعری اور علم و فضل کے چرچے ہونے لگے۔ شاعر ایک قدر دان کے دربار سے دوسرے کی بارگاہ میں پہنچتے اور پھر جب وہاں معلوم ہوتا کہ کسی تیسرے امیر کی فیاضیوں کا دستر خوان اور بھی وسیع ہے تو وہ اپنے پرانے ممدوح کو خیرباد کہکر اُس کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ اسی طرح علما جس حکمران سے زیادہ قدر و منزلت کی امید نہ پاتے "ملک خدا تنگ نیست۔ پائے مرا لنگ نیست" کہتے ہوئے کسی اور طرف نکل پڑتے یہ تھا وہ علمی و ادبی ماحول جس میں محمود کی علمی و ادبی ذہنیت نے نشو و نما حاصل کی۔

محمود کے معاصر حکمرانوں کی علمی و ادبی قدردانی

محمود کے زمانہ میں غزنیں کے علاوہ اور چند مقام ایسے تھے جہاں علم و فضل کی قدر دانی کا بازار گرم تھا۔ مثلاً جب تک خُراسان میں سامانی اثر باقی رہا بخارا ارباب فضل و کمال اور شاعروں کا گہوارہ تھا۔ اسی علاقہ کا ایک اور شہر نشاپور امیر سبکتگین کے منجھلے لڑکے ابو المظفر نصر کی علمی قدردانیوں سے خاص طور پر مالا مال ہو رہا تھا جنوبی اور مغربی ایران میں بنو بویہ کے علاقہ کے کئی شہر جن میں صفہان اور رَے خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ علم و ہنر کے مخزن بنے ہوئے تھے۔ طبرستان میں سیدا ور زیاری حکمرانوں کے درباروں میں

ادیبوں اور عالموں کا ہر وقت جمگھٹا رہتا تھا۔ سجستان و نیمروز کے حاکم کی علم دوستی کے باعث اس کے دربار میں کئی باکمال کشاں کشاں چلے آئے تھے۔ اور اسی طرح خیوا میں ماموںی خوارزم شاہیوں نے ایک عجیب علمی و ادبی ہنگامہ مچا رکھا تھا۔

علم و فضل اور شعر و سخن کے ان متعدد مرکزوں کے متعلق اس قدر مواد[1] موجود ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک مبسوط کتاب لکھی جاسکتی ہے لیکن ہم یہاں ان مرکزوں کے صرف چند خاص خاص علم دوست امیروں اور حکمرانوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اُن کی علمی قدردانیوں اور علمی فیاضیوں کا محمود کے اس قسم کے کارناموں کے ساتھ بالمقابلہ مطالعہ کیا جاسکے اور ان اثرات کی اہمیت کا اندازہ ہوسکے جو محمود غزنوی کی وجہ سے فارسی علم و ادب نے حاصل کیے تھے۔

ابوالمظفر نصر بن سبکتگین امیر ناصر الدین سبکتگین کے چاروں بیٹوں (اسمٰعیل، محمود، نصر، یوسف) کو علم و فضل کا شوق تھا ابن اثیر نے لکھا ہے[2] کہ اسمٰعیل کو نظم و نثر میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت

---

[1] اس مواد کے متعلق پروفیسر براؤن نے لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم صفحہ (۱۰۰) میں خاص حوالے دیے ہیں۔

[2] دیکھو تاریخ جلد (۹) صفحہ (۹۲)۔

حاصل تھی۔ چنانچہ جب وہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آتا تھا تو اکثر اپنے مصنفہ خطبے ہی پڑھا کرتا تھا۔ یوسف کو فارسی زبان کی شاعری کا خاص ذوق تھا۔ "لباب الالباب" اور "مجمع الفصحاء" میں اس کی علم دوستی کا ذکر کیا گیا ہے[1] وہ نہ صرف بعض ان شاعروں (مثلاً لبیبی اولیسی) کو جنھیں اس نے اپنا ندیم خاص بنا لیا تھا۔ انعام واکرام دیا کرتا تھا بلکہ محمودی دربار کے چند شعرا (مثلاً فرخی، عنصری وغیرہ بھی اس کی مدحت سرائی میں رطب اللسان رہتے تھے اور وہ ان کو گران بہا نوازشوں سے خوش کیا کرتا تھا۔ ان دونو بھائیوں کے علاوہ سبکتگین کا تیسرا بیٹا۔ ابوالمظفر نصر اس بارے میں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سلطان محمود نے ۳۸۹ھ (م ۹۹۸ء) میں اُس کو خراسان کا سپہ سالار مقرر کیا تھا[2] جہاں اُس نے چھ سال تک حکومت کی۔ اس قیام کے زمانہ میں اُس نے اپنے دار الحکومت نیشاپور کو علم وفضل کا منبع بنا دیا تھا۔

نصر علوم عربی کا ماہر تھا۔ اُس نے ان کے احیاء اور ترویج

---

[1] دیکھو۔ (۱) لباب الالباب جلد اول صفحہ (۴۰) (۲) مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ (۴۳۹)

[2] دیکھو عتبی کی تاریخ یمینی صفحات ۷۷۔ ۹۸۔

کی بھی حتی الامکان کوشش کی۔ نیشاپور میں ایک عالی شان درسگاہ قائم کی جو "مدرسہ سعیدیہ"[1] کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور جس کو مورخین نے امہات المدارس میں شمار کیا ہے۔ اس درسگاہ میں بڑے بڑے علماء محدثین اور فقہا جمع کیے گئے تھے۔ طالب علموں کے لئے متفرق قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی گئی تھیں اور مدرسہ کے اخراجات کے متعلق کئی دیہات بطور وقف کے دیدئے گئے تھے۔ آثار الکرام میں اس امر کو نہایت غور و تحقیق کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ "یہ مدرسہ نہ صرف نیشاپور اور غزنین کے مدرسوں سے قدیم ہے بلکہ مصر کے مدرسہ سے بھی پانچ سال پہلے تعمیر ہوا ہے۔ مدرسۂ مصر اور نظامیہ کی جو خصوصیات مورخین نے بیان کی ہیں وہ بھی اس میں جمع تھیں یعنی یہ کہ حکومت کی طرف سے اس کا افتتاح ہوا ہے۔ طلبا کو مفت تعلیم دی جاتی تھی اور ان کے رہنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا ان تمام وجوہات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ دعوی ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ نصر کا مدرسہ سعیدیہ ہر اعتبار سے اسلامی دنیا کا پہلا مدرسہ ہے۔"

---

[1] مدرسہ سعیدیہ کے متعلق حکیم شمس الدین نادری نے اپنی کتاب "آثار الکرام" مطبوعہ رسالہ اردو جلد (۳) حصہ ۱۱ صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵) میں حسب ذیل حوالوں سے خاصہ مواد جمع کر دیا ہے۔

(۱) روضۃ الصفا صفحہ ۹۸ (۲) مقریزی۔ جلد (۲) صفحہ ۳۶۳ (۳) سیوطی جلد (۲) صفحہ ۱۸۵

جب سامانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور خراسان میں کسی قسم کے فتنہ و فساد کا خدشہ نہ رہا تو محمود نے اپنے بھائی نصر کو دارالحکومت غزنیں میں بلا لیا۔ جہاں وہ تقریباً پندرہ سال تک زندہ رہا۔ اگر نصر نیشاپور میں چند سال اور رہتا تو وہاں علم و فضل کی بے حد ترقی ہو جاتی، تاہم اس نے غزنیں میں بھی اپنی علمی قدر دانی کے ذریعہ سے متعدد شاعروں کو اس قدر متمتع کیا کہ خود سلطان کے دربار کے شعرا اُس کی مدح میں قصائد لکھنے لگے مشہور ادیب اور مورخ ثعلبی نے اسی کی فرمائش پر "کتاب الغرر" تصنیف کی تھی۔

امیر خلف بانو بن احمد ابو احمد ولی الدولہ خلف بن احمد بن محمد بن خلف بن لیث صفاری۔ اس کی ماں بانو دختر عمرو بن لیث تھی اس لئے اس کا نام خلف بانو پڑ گیا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں سیستان اور نیمروز کے علاقوں میں حکومت کرتا تھا۔ امیر خلف محمود کے معاصر حکمرانوں میں اپنی علم دوستی کے باعث خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے اس کے ذوق علم و فضل نے کہربا بنکر متفرق جگہ کے اہل کمال کو گھاس پھوس کی طرح سیستان میں کھینچ لیا۔ نصر بن سبکتگین کی طرح اس کو بھی عربی کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اس کے دربار میں عربی شاعروں کی

ایک کثیر جماعت تھی۔ ابوالفتح بلستی نے ایک وقعہ اس کی مدح میں صرف تین شعر کہے تھے تو خلف بانو نے اس کو تین سو دینار سرخ انعام میں دیے تھے۔ جس طرح امیر نصر نے لبیبی ادیبی کو اپنا ندیم بنایا تھا مشہور عرب انشاپرداز بدیع الزمان الہمدانی کو امیر خلف بانو نے اپنا ندیم بنایا تھا۔ اس کے متعلق تاریخ یمینی اور روضۃ الصفا سے ظاہر ہوتا ہے کہ[1]

اس عہد کے بڑے بڑے علماء کو جمع کر کے اس نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھوائی تھی کہ اس میں صرف ونحو، حدیث، فقہ، کلام کے جمیع مسائل درج تھے۔ اس کی تالیف میں تیس ہزار دینار سرخ کا صرفہ ہوا تھا۔ مورخ عتبی نے نیشاپور کے کتب خانہ صابونی میں اس تفسیر کا ایک نسخہ بچشم خود دیکھا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ یہ کتاب اس قدر کبیر الحجم ہے کہ ایک کاتب تمام عمر اگر اس کو لکھتا رہے تب بھی تمام کتاب کا نقل ہونا محال ہے۔ ابواشرف ناصح نے یمینی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر ۵۷۴ھ تک نیشاپور میں تھی اس کے بعد اصفہان میں منتقل ہو گئی اور وہاں آل خجند کے کتب خانہ میں محفوظ تھی۔ اور بڑی تقطیع کی ایک سو جلدیں تھیں"

(ماخوذ از آثار الکرام صفحہ ۲۶۲)

---

[1] دیکھو۔ (۱) تاریخ یمینی (ترجمہ) صفحہ ۹۲) (۲) روضۃ الصفا جلد (۴) صفحہ (۱۰)

شمس المعالی قابوس بن وشمگیر پہلی فصل میں یہ ذکر آچکا ہے کہ شمس المعالی کا خاندان قباد پدر نوشیروان کی اولاد سے ہے۔ ثعالبی کی "یتیمۃ الدہر" اور عتبی کی "تاریخ یمینی" سے شمس المعالی کی زبردست شخصیت کے متعلق کافی مواد حاصل ہو سکتا ہے[1]۔ یہ شخص نہایت بلند پایہ عالم ہونے کے علاوہ فارسی و عربی کا اچھا شاعر تھا۔ اس کا خط بھی نہایت اچھا تھا۔ چنانچہ وزیر صاحب کافی الکفاۃ اسمٰعیل نے اس کے نوشتہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ "ہذا خط اقابوس ام جناح الطاؤس"۔ یزدادی نے قابوس کے اقوال ایک جگہ جمع کر کے "قرائن شمس المعالی و کمال البلاغۃ" کے نام سے انہیں شایع کیا ہے۔ اس کتاب سے تیس سطریں نقل کر کے ابن اسفندیار نے شمس المعالی کی غیر معمولی لسانی اور عربی زباندانی معتدد مرادانہ کرتبوں میں اس کی جرأت اور چالاکی اور فلسفہ ہیئت اور نجوم وغیرہ میں اس کی تعجب خیز معلومات کے متعلق بے حد تعریفیں کی ہے۔ اس نے عربی میں اصطرلاب پر ایک رسالہ لکھا تھا جس کے متعلق ابو اسحٰق صابی نے اچھی رائے ظاہر کی ہے۔ خراسان کے قاضی القضاۃ امام ابو سہیل صعلوکی نے شمس المعالی کی تعریفات میں

---

[1] دیکھو (۱) یتیمۃ الدہر مطبوعہ دمشق جلد سوم صفحہ (۲۸۸) (۲) تاریخ یمینی مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ جلد دوم صفحات (۱۴ تا ۱۷) اور (۱۷۲ تا ۱۷۸)۔

کئی تصنیفات لکھی ہیں[1]۔ شمس المعالی نے صحابہ رسول اللہ کے مراتب پر ایک چھوٹی سی کتاب بھی لکھی تھی۔ جس کی ابونصر عتبی نے اپنی تاریخ میں تعریف کی ہے[2]۔ ابوریحان بیرونی محمود غزنوی کی بزم ادب میں داخل ہونے سے پہلے شمس المعالی ہی کے دربار میں تھا اور یہیں اس نے اپنی ''تاریخ امم قدیمہ'' لکھی۔

امیر قابوس کی حقیقی عظمت کا اندازہ اُس وقت ہونے لگتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہی بیرونی جو بنی بویہ کی اس بارے میں مذمت کرتا ہے کہ وہ ایسے ایسے جھوٹے خطاب رکھتے ہیں جن کے وہ اور اُن کے 'ذرّا ہرگز مستحق نہیں ہوتے' جب قابوس کے خطاب شمس المعالی کا ذکر کرتا ہے تو لکھتا ہے کہ اُس نے ایک ایسا خطاب اختیار کیا ہے جو اپنے صحیح معنوں میں بھی امیر قابوس کی حقیقی خوبیوں پر ترجیح نہیں حاصل کر سکتا۔

شیخ الرئیس حکیم ابوعلی ابن سینا جب خوارزم سے طبرستان آیا تو شمس المعالی نے اس کی خاص آؤ بھگت کی چنانچہ اُسی زمانہ میں حکیم نے اپنی مشہور تصنیف کتاب ''الشفا'' تیار کی۔

---

[1] دیکھو دولت شاہ صفحہ (۱۰)

[2] دیکھو تاریخ یمینی جلد دوم صفحات ۱۸ تا ۲۶ —

امیر قابوس کا بھائی علاء الدولہ بھی علم و حکمت کا شایق تھا۔ چنانچہ اُس نے بوعلی سینا سے فلسفہ کے جملہ علوم کے متعلق فارسی زبان میں ایک کتاب لکھوائی جو "حکمت علائیہ" کے نام سے مشہور ہے۔

لباب الالباب میں محمد عوفی نے قابوس کی بے حد مدح سرائی کی ہے۔ اور اُس کا حسب ذیل کلام پیش کیا ہے[1]

کار جہاں سراسر آزست یا نیاز۔ من پیش دل بیارم آز و نیاز را
من بیست چیز را ز جہاں برگزیدہ ام۔ تا ہم بداں گزارم عمر دراز را
شعر و سرود و رود و مے خوشگوار را شطرنج و نرد و صیدگہ و یوز و باز را
میدان و گوی و بارگہ و رزم و بزم را اسپ و سلاح و جود و دعا و نماز را

اس کے بعد عوفی کہتا ہے :-

"از راہ انصاف اگر کسے دریں قطعہ بنگرد بر کمال علو ادب و وفور فضل و حسن اعتقاد و یمن ہمت ایں امیر بزرگوار وقوف یابد"

عوفی نے متذکرہ بالا کے علاوہ حسب ذیل شعر بھی نقل کئے ہیں

شش چیز دراں زلف تو دارد معدن پیچ و گرہ و بند و خم و تاب و شکن
شش چیز دگر نگر وطن ساں دل من عشق و غم و درد و کرب و تیمار و حزن

رباعی

گل شاہ نشاط آمد و مے میر طرب زاں روی بدین دو می کنم عیش طلب

خواہی کہ دریں بدانی اے ماہ جبیب   گل رنگ رخت دارد و مے طعمِ دو لب

فلک المعالی امیر منوچہر

منوچہر (۴۰۳ھ تا ۴۲۰ھ) شمس المعالی قابوس کا بیٹا تھا۔ علم و فضل اور شعر و سخن کی قدر دانی میں اپنے باپ کے قدم بقدم تھا۔ مشہور شاعر منوچہری دامغانی اسی کے دربار کا تربیت یافتہ تھا۔ اور اسی کے نام منوچہر پر اس نے اپنا تخلص منوچہری رکھا تھا۔

مامونی خوارزم شاہ

خوارزم شاہوں کے وہ تین حکمران جو مامونی کہلاتے ہیں اور جن کے خاندان کو بعض مؤرخین خوارزم شاہیانِ قدیم کہتے ہیں، جیو امیں اپنی علمی اور ادبی فیاضیوں کے باعث اُس زمانہ میں بہت مشہور تھے۔ علی بن مامون بن محمد خوارزم شاہ کا عہد حکومت تھا کہ بو علی سینا نے خوارزم کا رخ کیا، امیر علی نے اس کی نہایت خاطر تواضع کی اور جب تک رہا قدر و منزلت کے ساتھ پیش آیا۔ علی بن مامون کا بھائی ابو العباس خوارزم شاہ نہ صرف علی سے زیادہ علم دوست اور فیاض تھا بلکہ اُس خاندان کے تمام فرماں رواؤں میں سے کوئی اُس کی ہنر پروری اور علم دوستی کو نہ پہنچ سکا۔ ابو الخیر خمار، ابو ریحان بیرونی ابو علی سینا، ابو سہل مسیحی اور ابو نصر عراق وغیرہ جو اس زمانہ کے بہترین حکماء، علماء اور فضلاء سمجھے جاتے ہیں، اُسی کے دربار کے مرہونِ منت

ہیں - اُس کے نام پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے امام ابو منصور ثعالبی کی مصنفات "نہایہ فی الکنایہ" "نثر و نظم" اور لطائف وظرائف" خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

محمود کا ذاتی علمی وادبی ذوق

گذشتہ بیانات سے یہ امر متیقن ہو جاتا ہے کہ ایسے اثرات کے تحت اور اس قسم کے ماحول میں کسی خوش حال ایرانی کے لئے ضروری تھا کہ وہ علم وفن کا مذاق پیدا کر لیتا - محمود تو ایک حکمران تھا! ایک ایسا حکمران جس کے دادا نے ایران کی طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر اغیار کی ماتحتی چھوڑ ایک نئی سلطنت کی بنا ڈالی تھی اور جس کے باپ سلطان ناصرالدین سبکتگین نے سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ارباب علم وفضل کو جمع کر کے مامور کیا تھا - چنانچہ مجدالدین ابوالفتح البستی (جو ایک زبردست فاضل ہونے کے علاوہ عربی اور فارسی کا شاعر بھی تھا) اور ابوالحسن کسائی (جس نے سبکتگین کی مدح میں متعدد قصیدے لکھے) کی اس کے دربار میں خاصی قدر دانی ہوئی تھی .... ایسے حکمرانوں کے لئے اس ماحول میں شہرت اور نیک نامی پیدا کرنے کی خاطر لازمی تھا کہ وہ نہ صرف فوجی طاقت کے لحاظ سے اپنے ہمسروں سے بازی لیجاتا بلکہ علمی ذوق و شوق اور

قدر دانی کے ذریعہ سے بھی اپنی ہمسایہ حکومتوں کو مرعوب کرتا جن کا
اِس نورس حکومت کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا ایک فطری امر تھا
لیکن محمود نہ صرف ماحول کی مجبوریوں سے علم وفن کی طرف راغب
ہوا تھا بلکہ اس کو طبعًا ان کا مذاق تھا وہ نہ صرف ثروت پسند اور
آزاد مشرب بادشاہ تھا جیسا کہ عام طور پر اس کو پیش کیا جاتا ہے اور یہ
خیال کیا جاتا ہے کہ اُس نے دل بہلائی اور تعریف کی خاطر شاعروں
کی قدر کی بلکہ وہ خود بھی ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر اور بلند مرتبہ عالم تھا
اُس نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء اور کاملین فن سے علوم
شرعیہ کی تحصیل کی تھی۔ علامہ ابی الوفا القرشی المتوفی ۵۷۷ھ نے
اسے آئمۂ فقہا میں شمار کیا ہے۔ حدیث و فقہ میں اس نے متعدد
کتابیں تصنیف کی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک کتاب "التفرید" نہایت
مشہور ہے۔ اور فقۂ احناف کی کتب مستندہ میں شمار ہوتی ہے
اس میں ساٹھ ہزار مسائل مذکور ہیں۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں
میں شعر کہا کرتا تھا۔ موسیو شیفر نے اپنی کتاب "منتخبات فارسی" (دیکھو
کرستانی دی پرساں جلد دوم صفحہ ۲۵) میں "محمود نامہ" کو سلطان
محمود ہی سے منسوب کیا ہے۔ اگرچہ یہ غلط ہے لیکن محمود کے متفرق
اشعار اب بھی موجود ہیں جن سے اس کے ایک اعلیٰ شاعر ہونے کا ثبوت

ملتا ہے۔ مثلاً بزم آرا میں عنصری کی بیاض سے جو خود عنصری کے قلم سے لکھی ہوئی تھی محمود کی یہ غزل مرقوم ہے۔[1]

من گرد دل خویش ہوائے تو شنیدم | با ہر چہ تو پیوستم و از خویش بریدم
دیگر ز بتاں چوں تو ندیدم زپے انک | بت نیست بجائے کہ من اینجا برسیدم
ما من بنچیند آں کہ چو او کس نہ گرفتیم | نگرفت سر زلف تو ہر چند تپیدم
چوں زلف شدم دست و چو پیمانہ شدم | چوں زلف تو کادیدم و چوں روئے تو دیدم
گفتم کہ یکے بندہ خریدم بدرم من | گفتے غلط است اینکہ خداوند خریدم

محمد عوفی نے شاہی شعرا میں محمود کا ذکر دوسرے نمبر پر کیا ہے اور لکھا ہے "غرض از تحریر ایں فصول آں است کہ او را طبع شعر بودہ است" (دیکھو حصہ اول صفحہ ۲۴) گلستان نامی ایک کنیز تھی سلطان کو اس سے دلی محبت تھی جب اس کا انتقال ہوا تو محمود نے ذیل کا مرثیہ لکھا ہے ؎

چوں تو اے ماہ زیر خاک شدی | خاک را بر سپہر فضل آمد
دل جزع کرد گفتم اے دل صبر | ایں قضا از خدائے عدل آمد
آدم از خاک بود خاکی شد | ہر کہ زو زاد باز اصل آمد

سلطان محمود نے اپنی وفات کے قریبی دنوں میں یہ نہایت مشہور قطعہ لکھا جس کو متاخر تذکرہ نویسوں نے اوروں کی طرف منسوب کر دیا ہے ؎

[1] دیکھو لباب الالباب حصہ اول صفحہ ۲۹۳-۲۱۴-۲ (شعر العجم جلد اول صفحہ ۴۶) (۳) آثار الکرام مطبوعہ آگرہ صفحہ ۲۰۵

زبیم تیغ جہانگیر گرز قلعہ کشائے | جہاں مسخر من شد چو تن مسخر رائے
گہے بعز و بدولت ہمی نشستم شاد | گہے زحرص ہمی رفتمی زجائے بجائے
بسے تفاخر کردم کہ من کسے ہستم | کنوں برابر بینیم ہمی امیر و گدائے
اگر دو کلّہ بوسیدہ برکشی زدو گور | سرامر کہ داند زکلّہ گر را رے
ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست | بسے مصاف شکستم بیک فشردن پائے
چو مرگ تاختن آرد ہیچ سود نکرد | بقا بقاء خدا ئیست و ملک ملک خدائے[1]

ان اشعار کو دولت شاہ نے سلطان سنجر سلجوقی سے منسوب کیا ہے۔ ایتھے کا خیال ہے کہ چند غزلیں بھی محمود غزنوی سے منسوب پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے متعلق شبہ ہے کہ آیا وہ محمود غزنوی کی ہیں بھی یا نہیں[2]۔

افسوس ہے کہ موجودہ تاریخوں سے کوئی ایسا ٹھوس مواد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس کے ذریعہ ہم محمود کی ذاتی لیاقت اور ذوق علم کا صحیح پتہ لگا سکیں۔ اور اس پر کافی بحث کریں۔ اگر ابو الفضل بیہقی کی[3] تاریخ یمینی۔ یا مقامات محمودی۔ یا تاریخ محمودی۔ تاج الفتوح' مقامات ابو نصر مشکانی' تاریخ ملا محمد غزنوی اور تاریخ محمود وراق موجود

[1] ماخوذ از تنقید شعر العجم محمود شیرانی مطبوعہ اردو جلد دوم حصہ ہشتم صفحہ (۵۲۸) [2] دیکھو براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد (۲) صفحہ (۱۱۷) [3] ان کتابوں کے لکھنے کے متعلق خود بیہقی نے اپنی تاریخ مسعودی میں ذکر کیا ہے لیکن اب وہ کہیں دستیاب نہیں ہوتیں دیکھو تاریخ بیہقی تصحیح مورلے مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء صفحات (۱۵۸ اور ۱۷۶)۔

ہوتیں تو ہم کو محمود کی ذات کے متعلق بہت کچھ معلومات دستیاب ہوتیں تاہم اب بھی کوئی شخص اس امر سے تو انکار نہیں کر سکتا کہ محمود خود بھی ایک شاعر اور عالم شخص تھا۔



۴

غزنیں میں اربابِ علم و فضل اور شاعروں کا مجمع

محمود نے جس علمی و ادبی ماحول میں نشو و نما حاصل کی اور اس کے باعث اس کی طبیعت پر جس قسم کے نقوش ثبت ہوئے۔ ان تمام پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہم اس کی زندگی کی اس منزل تک پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ اپنی طبیعت کی فطری افتاد کے مطابق ارباب فضل و کمال کو جمع کرنے کی خاطر سخت گرسنگی کا اظہار کیا ہے۔ افسوس ہے کہ بعض مستشرقین[1] نے محمود کی اس علمی بھوک پر اس طرح سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ وہ بجائے اس کے محاسن میں شامل ہونے کے اس کی مذموم حرکتوں میں اضافہ کرنے کا باعث بنتی ہے

[1] دیکھو براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد دوم صفحہ ۹۱ تا ۹۷)

اگر محمود دراصل علما وفضلا کا قدر دان نہ تھا اور اگر اس نے اپنے دربار میں ان کے ساتھ برا برتاؤ کیا ہے تو کیا آج سوائے "چہار مقالہ" کی اُس شک آمیز روایت کے جو البیرونی کی نسبت ہے اور سوائے اس طشت از بام فسانہ کے جو فردوسی سے متعلق ہے ہمیں کوئی اور مثالیں یا شہادتیں حاصل نہ ہوتیں؟ کیا علما اور شعرا اپنے تئیں دربار میں ذلیل ہوتا ہوا دیکھکر خاموش رہجاتے؟ اور کیا ان کے قلم سے محمود کی شکایت کہیں اور کسی وقت بھی ظاہر نہ ہونے پاتی؟ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اعتراضات ایک مخصوص فرقہ کی جانب سے محمود کے خلاف جو سازشی تحریک کی گئی ہے اس کے اجزائے لاینفک ہونے کے علاوہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتے۔

آیندہ فصل میں ان الزامات کی کافی تردید ہو جائے گی۔ یہاں ہم ان عالموں اور شاعروں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو محمود کی فیاضیوں کے مرہون منت تھے اور جن کے ناموں نے اس کی شہرت میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائینی

تخت نشین ہوتے ہی محمود کی نظر جس فاضل پر پڑی وہ ابوالعباس اسفرائینی تھا یہ مشہور عالم سامانی حکمرانوں کے دربار میں کاتب رہچکا تھا......

اور امیر ناصر الدین سبکتگین کی قدردانی کے باعث غزنین میں وزارت کی خدمت جلیلہ پر فائز ہوا تھا۔ محمود نے بھی اپنی تخت نشینی کے بعد اپنے باپ کے وزیر کو بحال رکھا۔ اسفرائنی محمود کے زمانہ میں تقریباً آٹھ سال تک وزیر رہا اور ۴۰۷ھ میں وفات پائی۔ مرزا احمد قزوینی نے لباب الالباب نصف اول پر جو تعلیقات لکھے[1] ہیں ان میں اسفرائنی پر حسب ذیل نوٹ لکھی ہے "ابوالعباس الفضل بن احمد الاسفرائنی المتوفی (۴۰۴) از وزراء سبکتگین و سلطان محمود" لباب الالباب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے قید خانہ میں وفات پائی چنانچہ لکھا ہے "چوں ابوالعباس فضل احمد کہ وزیر سلطان بود در بند و زندان و رنج و احزان ایں دنیائے فانی را وداع کرد۔ و بندار اجل راسماع نوبت وزارت بابو القاسم رسید الٰی آخرہ (دیکھو صفحہ ۶۳)

فضل ابن احمد اسفرائنی اپنے زمانہ کے اکثر امیروں اور حکمرانوں کی طرح جہاں حکومت وسیاست کے اسرار سے واقف تھا علم وادب سے بھی خاصی رغبت رکھتا تھا۔ ایرانی النسل ہونے کے باعث نیز سامانیوں کے علمی وادبی گہوارے میں تربیت پانے کی وجہ سے اس کو ایرانی اشیاء خصوصاً فارسی زبان اور ادب سے خاصی دلچسپی تھی۔

غزنین میں پہلے سرکاری تحریری کاروبار عربی زبان میں سرانجام پاتا تھا

---

[1] دیکھو صفحہ (۳۰۶) قزوینی نے اس کے متعلق حسب ذیل کتابوں کے حوالے دئے ہیں (۱) شرح یمینی (۲) تاریخ گزیدہ (۳) آثار الوزراء (۴) دستور الوزراء۔

اسفرائنی پہلا شخص ہے جس نے اس کا رد عمل کر کے فارسی زبان کو عام طور پر رائج کیا اور اس کی یہی ایرانیت پسندی تھی جس نے شمع کی شکل اختیار کر کے فردوسی کی امیدوں کو پروانوں کی طرح اپنی طرف کھینچ لیا اور جس کی باعث اسفرائنی نے اس کو سلطان محمود کے دربار میں باریاب کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ سلطان کو شاہنامہ کی قدر و منزلت کی طرف بھی راغب کیا[۱]۔ فردوسی نے اس وزیر کا شاہنامہ میں ایک دو جگہ ذکر بھی کیا ہے مثلاً ؎

زدستور فرزانہ دادگر　　　پراگندہ رنج من آمد بسر

(دیکھو شاہنامہ طبع بمبئی ۱۲۷۵ھ جلد دوم صفحہ ۲۴۴)

شمس الکفاۃ ابوالقاسم احمد بن حسن میمندی

ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی کے بعد دوسرا شخص جس کو محمود نے وزارت کے قابل سمجھا وہ احمد بن حسن میمندی ہے۔ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ حسن میمندی نامی ایک وزیر سلطان محمود کے دربار میں گذرا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے ابھی محمود تخت نشین بھی نہیں ہوا تھا کہ حسن میمندی نے وفات

---

[۱] دیکھو۔ آثار الکرام صفحات ۳۷۹ تا ۳۸۰ جس میں حسب ذیل ماخذوں سے مواد حاصل کیا گیا ہے۔ (۱) شرح یمینی صفحات (۱۵۶) اور (۱۶۵) (۲) تاریخ گزیدہ صفحہ (۴۴۸) (۳) شاہنامہ صفحہ (۹۰۲)

سے عالم بقا کی طرف کوچ کر گیا ("امیر سبکتگین نے جب قصبہ بست کو فتح کیا تو وہاں ضبط اموال کے لئے حسن کا تقرر ہوا لیکن خیانت کرنے کی وجہ سے امیر نے اس کو قتل کر دیا۔ (دیکھو آثار الکرام حکیم شمس اللہ قادری صفحہ ۴۸) اس کے بیٹے احمد کو جو سلطان محمود کا رضاعی بھائی۔ بچپن کا دوست اور ہم مکتب اور ہم صحبت تھا[1]"۔ سلطان نے پہلے خراسان کا دیوان رسائل مقرر کیا تھا۔ اور پھر اسفرائینی کی معزولی کے بعد اس کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔ اگرچہ اس نے چند سال نیم سرکاری طور پر کام کیا لیکن ۴۰۴ھ میں باقاعدہ طور پر وزیر بنا دیا گیا۔ عوفی نے لباب الالباب میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے :۔

"وزیرے ستودہ خصایل وصاحبے با اقبال بود در کمال (رتبت)
بزرگی مشارالیہ و در جلال قدر قطبی مدار علیہ در اوایل ایام
دولت سلطان یمین الدولہ محمود بخراسان دیوان رسائل بود
بفصاحت قلم وسماحت شیم از اقران واسفا درگذشتہ وید ست
ہمت بساط رفعت فلک اثیر در نوشتہ در فضل بنابتی
کہ صاحب عباد با وا مکان عناد دنیوی و صابی در خدمت
او صبی نمودی"۔ الخ (دیکھو صفحہ ۶۳)

---

[1] تنقید شعرالعجم۔ رسالہ اردو محمود خان شیرانی جلد سوم حصہ نہم صفحہ (۲۴۲)۔

احمد ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا اور اپنے پیشرو وزیر کے برخلاف اسکو عربی سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ ان ذوالسانین علما اور شعرا میں سے تھا جنھوں نے اپنی قابلیت اور کمال کا سکہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر بٹھا دیا تھا۔ اگرچہ وہ فارسی کا بھی ایک اچھا شاعر تھا لیکن اس کے فارسی اشعار عام طور پر معلوم نہیں۔ البتہ یتیمۃ الدہر میں اس کے عربی اشعار خاص طرح سے منقول ہیں۔ وہ اٹھارہ سال تک محمود کے دربار میں وزارت کی خدمت انجام دیتا رہا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ محمود کی بزم ادب معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اس نے ۴۲۴ھ میں وفات پائی۔

عوفی نے لکھا ہے کہ "اشعار تازی او در یتیمۃ الدہر مسطور است" (دیکھو صفحہ ۶۴) لیکن مرزا محمد قزوینی نے نوٹ میں لکھا ہے کہ "ترجمہ حال و اشعار او در یتیمۃ الدہر یافت نشد" (دیکھو صفحہ ۳۰۶) عوفی نے اس کے تین عربی شعر بطور مثال پیش کئے ہیں اور "در معنی پیری و موسم پیری" حسب ذیل فارسی شعر بھی درج کئے ہیں ؎

این جوانی مرا نگر کہ چہ گفت گفت اے پیر من چہ فرمائی
گفتم اے دوست ساعتے بنشیں گفت من رفتم و تو زود آئی
بشراب و کباب و رنگ خضاب باز ناید گذشتہ برنائی

ان دو وزیروں کے علاوہ سلطان محمود کی سلطنت کے عہدہ داروں

میں اور تین چار شخصیتیں علم و فضل کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک **ابونصر مشکان** ہے۔ اس مشہور ادیب سے دیوان رسالت کا عہدہ وابستہ تھا۔ "اس نے علم ادب میں المقامات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے[1]" اور اس کے متعلق سب سے زیادہ قابل ذکر امر یہ ہے کہ وہ غزنوی دور کے زبردست مورخ ابو الفضل بیہقی کا استاد تھا۔

اس سلسلہ میں دوسرے شخص **ابو محمد عبداللہ بن حسین الناصحی** ہیں۔ جو غزنین کے قاضی القضاۃ تھے۔ اور "تفسیر، حدیث، فقہ کے زبردست عالم اور مذہب حنفیہ کے امام وقت مانے جاتے تھے۔" ایک دفعہ سلطان نے ان کو امیر حجاج بناکر غزنیں سے ایک قافلہ روانہ کیا اور تیس ہزار دینار زادراہ کے لئے عنایت کئے۔

تیسرے صاحب ابو طیب **سہل بن سلیمان صعلوکی** ہیں جو نشاپور کے قاضی القضاۃ تھے اور تفسیر، فقہ، حدیث، ادب، کلام وغیرہ میں امام وقت خیال کئے جاتے تھے۔ "ائمہ حدیث نے ان کو شیخ خراسان اور شمس الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔" سامانی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب ایلک خان اور سلطان محمود نے مملکت سامانیہ کی تقسیم کرنی چاہی تو

---

[1] جہاں تک علماء کے ذکر کا تعلق ہے ہماری اکثر معلومات حکیم شمس اللہ قادری صاحب کی کتاب آثار الکرام پر مبنی ہیں چنانچہ اس کے بعد جہاں جہاں واوین میں عبارت پیش کی گئی ہے وہ اسی کتاب سے منقول ہے۔ آثار الکرام میں فاضل مورخ نے نہایت ہی مستند اور بہترین ماخذوں سے صحیح مواد جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

محمود نے امام صعلوکی کو سفیر بنا کر بے شمار تحف و ہدایا اور اپنی لڑکی کے ساتھ ایلک خان کے دربار میں روانہ کیا۔ امام نے سلطان محمود کی لڑکی کا عقد ایلک خاں سے کر دیا۔ اور فائز المرام غزنیں واپس ہوئے۔

متذکرۂ بالا پانچ مشہور شخصیتوں کے تذکرہ کے بعد سلطان محمود کے دربار کی اور پانچ ہستیوں کا ذکر "سلطان محمود غزنوی کی بزم ادب" کا ایک جزوِ لاینفک ہے۔ کیونکہ دراصل یہی وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے نہ صرف اس زمانہ میں علم و ادب کا صحیح مذاق پھیلانے اور ایک خاص علمی احول کے پیدا کرنے کی کوشش کی اور کامیابی حاصل کی۔ بلکہ اپنے متفرق شاہکاروں کی وجہ سے سلطان محمود اور اس کی علمی قدر دانیوں اور علمی فیاضیوں کو زندہ جاوید بنا دیا۔

ابوالفتح بستی ابوالفتح کو عوفی "صدر الافاضل والکتاب" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ سبکتگین کے انتقال کے بعد محمود کو اپنے باپ کے ورثہ میں غزنیں کے تخت و تاج کے علاوہ ایک تو اس کا وزیر ابوالعباس اسفراینی ملا اور دوسرا اس کے دربار کا میر منشی ابوالفتح بستی حاصل ہوا۔ ابوالفتح علوم معقول کا زبردست عالم تھا۔ اور احمد میمندی کی طرح اس زمانہ میں ذواللسانین علما اور شعرا میں سے تھا۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان ہیں جو حقایق اور معارف سے مالا مال ہیں۔ اس کو لفظی صنعتوں

پر کمال حاصل تھا۔ اس کے قصیدے اب بھی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں[1]۔ اسفرائنی کی طرح محمود نے اس کو بھی اپنی تخت نشینی کے بعد اس کے عہدہ پر بحال رکھا۔ عوفی حسب ذیل الفاظ میں اس کی تعریف کرتا ہے :۔

صاحب تحسین و بلاغت ۔ و والی ہنر و براعت نور حدیقہ کفایت (و نور حدقہ) درایت نظم خوب او ذوق آب حیات داشت ۔ و نثر روان او محبوب روان بود" (دیکھو صفحہ ۶۴)

ابوالفتح شہر بست کا ایک فارغ البال اور مرفہ الحال امیر تھا۔ جب سبکتگین نے بست فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو ابوالفتح بستی بھی اس کے ہاتھ آ گیا جس کی کمال بزرگی اور قابلیت کے اعتراف میں سبکتگین اس کو اپنے ساتھ غزنیں لایا اور اپنی قدر دانیوں کے ذریعہ سے بلند مرتبہ تک پہنچایا۔ عوفی نے اس کے دو نو دیوان دیکھے تھے وہ لکھتا ہے "چوں دریں بلاد دیوان شعر پارسی او موجود نیست بیش ازیں یک قطعہ پارسی بر خاطر نماندہ بود ایراد کردہ اند" قطعہ ۔

یکے نصیحت من گوش دار و فرماں کن ۔ کہ از نصیحت سود آں کند کہ فرماں کرد

ہمہ بصلح گرائے و ہمہ مدارا کن ۔ کہ از مدارا کردن ستودہ گردد مرد

---

[1] دیکھو ۔ براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد (۲) صفحہ (۹۹)

اگرچہ قوت داری و عدت بسیار — بگرد صلح گرائے و بگرد جنگ مگرد
نہ ہر کہ دارد شمشیر حرب باید رفت — نہ ہر کہ دارد پا زہر زہر باید خورد

(دیکھو لباب صفحہ ٦٥)

ابو نصر عتبی

محمد بن عبد الجبار العتبی سلطان محمود کی بزم ادب کا ایک مشہور فرد ہے۔ محمود نے اپنی تخت نشینی کے بعد اس کو مہم گرجستان پر روانہ کیا۔" اسی عرصہ میں کچھ عرصہ کے لئے گنج رستاق میں صاحب البرید ہوگیا"۔ واپس آنے کے بعد محمود کی بزم ادب میں شامل ہوا۔ اس نے سبکتگین اور محمود کے زمانہ کی ایک بہترین تاریخ لکھی ہے جو "تاریخ یمینی" کے نام سے مشہور ہے اور "بلحاظ انشا" کے اس کی عبارت اس قدر فصیح و بلیغ ہے کہ علمائے ادب اسے مقامات ہمدانی اور حریری کے ہم پایہ قرار دیتے ہیں" یہ کئی دفعہ شایع ہو چکی ہے اور اس کی متفرق شرحیں اور ترجمے بھی کئے گئے ہیں۔ سبکتگین اور محمود کے متعلق جس قدر بھی مستند اور ثقہ حالات متاخر مورخین نے حاصل کئے ہیں۔ وہ سب اسی مشہور مورخ سے ماخوذ ہیں اس کی کتاب کے متعلق عوفی نے لکھا ہے کہ "الحق کتابی۔ غرایب بیان و بدایع کلمات آن در لطافت آب زلال و طراوت باد شمال است و درر و غرر الفاظ آن آرایش غور حور شاید و مطالعہ مطالع و مقاطع آن آسایش دل بیند ور نور"[24]

ابو منصور ثعالبی

امام ابو المنصور عبد الملک محمد بن اسمٰعیل الثعالبی

اپنے زمانہ کے سب سے بڑے مصنف ہونے کے علاوہ ادب اور تاریخ کے امام وقت تھے۔ اگرچہ متعدد امیروں نے ان کی قدر و منزلت کی لیکن ان کو دربار غزنیں سے خاص تعلق تھا۔ امیر نصر بن سبکتگین کی فرمایش پر انھوں نے "کتاب الغرر" تصنیف کی اور سلطان مسعود بن محمود کے نام "یتیمۃ الدہر" کو معنون کیا۔

ثعلبی ۴۰۶ھ میں سلطان محمود کی طرف سے سفیر بنا کر دربار خلافت میں (بغداد) بھیجے گئے تھے تاکہ محمود کے لیے خطاب حاصل کریں۔ چنانچہ کامل ایک سال تک قیام کرلینے کے بعد انھوں نے اس مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ اور خلیفہ نے سلطان کو "یمین الدولہ و ولی امیر المومنین" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ثعلبی کی بعض بعض مشہور تصنیفات کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) لطائف المعارف (۲) سحر البلاغہ (۳) فقہ اللغۃ (۴) النہایہ فی الکنایۃ (۵) کتاب الغرر (۶) یتیمۃ الدہر۔

ابوالخیر خمار الحسن بن سوار بن بابا بن بہرام النصرانی۔ ابوالعباس خوارزم شاہ کے دربار کے جن ارباب فضل و کمال کو محمود نے اپنے دربار میں دعوت دی تھی۔ ان میں سے ایک امیر ابوالخیر ابوالحسن الخمار بھی ہے۔ ابوعلی ابن سینا اور ابوسہل مسیحی تو خوارزم سے بھاگ نکلے

لیکن خمار، بیرونی اور عراقی محمود کے دربار میں جانے کے لئے راضی ہو گئے۔ خمار فتح خوارزم کے بعد سلطان محمود کے ہمراہ غزنین آیا اس وقت اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی محمود اُس کی بے حد عزت کرتا تھا خمار نصرانی تھا۔ وہ جب عالموں اور زاہدوں سے ملنے جاتا تو نہایت سادگی کے ساتھ اور جب امیروں اور حاکموں سے ملنے جاتا تو نہایت تزک و احتشام سے جاتا تھا۔ ۳۳۱ھ میں بغداد میں پیدا ہوا اور غزنیا میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔

منطق، فلسفہ اور طب میں اس نے پندرہ سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اس وقت موجود نہیں۔ شہرزوری نے اس کے متعلق تفصیل سے حالات لکھے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ خمار نے سریانی زبان سے کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کو بقراط ثانی کہتے تھے۔ اور اس کو یہ نام سزاوار تھا۔ اس کی تصنیفات کے متعلق لکھتا ہے:۔

"اُورا تصانیف بسیار است در اقسام علوم حکمت۔ بعضے از آں مقالہ است در توفیق میان نصاریٰ و فلاسفہ و مقالہ است در ظاہر ساختن آرائے حکما در باری تعالیٰ و شرائع و مقالہ است در روز بازگشت و کتابی است در کیفیت خلق انسان"

۷۲ ابوریحان بیرونی

ابوریحان بیرونی - ۳ ر رجب ۳۶۳ھ کو خوارزم کے بیرونی حصہ میں پیدا ہوا - اس کی عمر کا ابتدائی حصہ خوارزم میں آل مامون کے دربار میں گذرا - اسی اثنار میں وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار میں بھی چلا گیا تھا - جہاں اس نے ۳۹۰ھ میں اپنی کتاب "آثار الباقیہ" قابوس کے نام معنون کی تھی - جب خوارزم پر محمود کا تسلط ہو گیا تو ابوریحان بھی غزنین میں آکر سلطان محمود کی بزم ادب میں شامل ہو گیا - وہ اپنے زمانہ کا بہترین مورخ، ادیب اور ہیئت دان تھا - اس نے مختلف علوم و فنون کے متعلق متعدد کتابیں لکھی ہیں - اگر اس کا تعلق محمود غزنوی کے دربار سے ہو جاتا تو علم و فضل کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا رہ جاتا جس کے بغیر محمود کی بزم ادب اس قدر شاندار نہیں ہو سکتی تھی - ابوریحان سلطان محمود کے ساتھ متفرق حملوں میں شریک رہا تھا - ہندوستان بھی آیا تھا - جہاں اس نے سنسکرت زبان سیکھی اور دیگر ہندوستانی امور سے واقفیت پیدا کر کے ایک کتاب "کتاب الہند" لکھی جو محمود کے زمانہ ہی میں مکمل ہو چکی تھی - اس کے علاوہ ابوریحان نے متفرق علوم و فنون میں متعدد کتابیں لکھیں مثلاً

(۱) قانون مسعودی - ۲ - آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ ۳ - کتاب التفہیم فی صناعۃ التنجیم - ۴ - کتاب الجماہر فی الجواہر ۵ -

۱۵ - مقالید الہیئت - ۶ - العجائب الطیفہ -

سنسکرت کی بھی بیس سے زیادہ کتابوں کا اُس نے ترجمہ کیا تھا - ابوریحان نے غزنین میں ۲ رجب سنہ ۴۴۰ھ کو وفات پائی

(ثو)

(۲) شعراء

محمودی دربار کے عالموں پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہم اُس کے شاعروں کا ایک اجمالی ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ محمود کی بزم ادب میں سیکڑوں شاعروں کا حصہ ہے لیکن ہم نے صرف انہیں کا انتخاب کیا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے مشہور رہیں۔

عنصری عوفی نے اس کا پورا نام الاستاد الرئیس ابوالقاسم حسن بن احمد العنصری لکھا ہے[1] بلخ کا تاجر زادہ تھا۔ تجارت کی غرض سے سفر کو نکلا۔ ڈاکہ کی وجہ سے تباہ ہوگیا اور تجارت کا خیال ترک

---

[1] عنصری کے متعلق معلومات کے ماخذ:۔ (۱) لباب الالباب محمد عوفی مرتبہ براؤن جلد دوم صفحہ (۲۹) (۲) شعرالعجم شبلی جلد اول صفحہ (۲۸) (۳) تاریخ ادبیات ایران براؤن جلد دوم صفحہ (۱۲۰) (۴) آثارالکرام حکیم شمس اللہ قادری مطبوعہ رسالہ اردو صفحہ (۳۸۶)

کر کے حصولِ علم کا ارادہ کیا۔ اُس کے زمانہ میں علم و فضل کا بازار جس قدر گرم رہتا تھا اُس کے متعلق ہم نے گزشتہ فصل میں کچھ ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ عنصری نے بآسانی متداول علوم و فنون حاصل کر لئے اور ابوالمظفر نصر بن سبکتگین صوبہ دار خراسان کے دربار میں پہنچا۔ جس نے اُس کو اپنے بھائی سلطان محمود کی بارگاہ میں پیش کیا۔

عنصری اُن شعرا میں سے ہے جو محمود کی تخت نشینی کے بالکل بعد ہی غزنین پہنچے۔ محمود کے دربار میں اس کی خاص قدر و منزلت ہوئی۔ وہ رفتہ رفتہ بزمِ شعرا کا صدر نشین بن گیا۔ اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔ دربار کے تمام شاعر اُس کو اپنا کلام اصلاح کی خاطر دکھاتے تھے۔ بڑے بڑے نامور شعرا عنصری کی مدح میں قصاید لکھ کر پیش کرتے تھے اور گران بہا صلے پاتے تھے محمود کی شاہانہ فیاضیوں نے عنصری کو دولت و مال سے اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ چار سو زرین کمر غلام رکاب میں ساتھ چلتے تھے اور جب سفر کرتا تو اُس کا ساز و سامان جو عموماً طلائی و نقرئی ہوتا تھا چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔ انتہا یہ کہ دیگیں بھی طلائی و نقرئی ہوتی تھیں۔ اکثر شعرا نے عنصری کی دولتمندی کا ذکر حسرت و رشک کے ساتھ کیا ہے۔ خاقانی کہتا ہے ؎

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگداں ز زر ساخت آلات خواں عنصری[1]

مشہور ہے کہ عنصری نے تیس ہزار سے زیادہ شعر لکھے۔ سنہ ۳۰۲ھ میں اُس کا جو دیوان طہران سے شائع ہوا ہے اور جس میں قصائد کے علاوہ چند غزلیں اور رباعیاں بھی ہیں۔ اس میں کل تین ہزار اشعار ہیں اُس نے متعدد مثنویاں بھی لکھی تھیں جن کا ذکر لباب الالباب میں اس طرح کیا گیا ہے:۔

و مثنویاتی کہ تالیف کردہ است ہم باسم خزانہ یمین الدولہ چون شاد بہر و عین الحیواۃ و وامق و عذرا و خنگ بت و سرخ بت ہر یک گنج بدایع و خزانۂ حکم و مستودع معانی و قیق و مجمع امثال رفیق است۔ و بدان سبب مطلوب عالمیان و مرغوب ہنرمندان بود"۔ (دیکھو جلد دوم صفحہ ۳۲)

عنصری نے اپنے ممدوح سلطان محمود کی وفات سے دس سال بعد سنہ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود کے عہد حکومت میں انتقال کیا۔

فرخی

الاستاد ابوالحسن علی بن جولوغ الفرخی السنجری کا باپ جولوغ سیستان کے حاکم امیر خلف بن احمد کا غلام تھا۔ فرخی جو تقریباً سنہ ۳۷۰ھ میں پیدا ہوا تھا کسی زمیندار کا ملازم تھا۔ لیکن جب امیر خلف کی ایک لونڈی سے شادی کی اور خرچ بڑھ گیا تو آقا سے تنخواہ میں اضافہ کی درخواست کی

---

[1] ماخوذ از شعر العجم۔

نامنظور ہونے پر برداشتہ خاطر ہو کر وطن سے چل کھڑا ہوا۔ اور چونکہ بچپن ہی سے شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ اور اس اثناء میں اُس نے اس میں کچھ ترقی بھی کر لی تھی۔ اس لئے سیدھا ابوالمظفر چغانی (جو سنہ ۳۷۷ھ سے حکمراں تھا) کے دربار کا رخ کیا وہاں جس طرح امیر کے حضور میں باریاب ہوا اس کا ذکر چہار مقالہ میں بتفصیل مذکور ہے۔[1]

ایک مدت تک چغانی دربار میں رہنے کے بعد فرخی نے غزنین کا رخ کیا۔ اور جس طرح عنصری نے تقریباً پندرہ سال قبل سلطان محمود کے بھائی ابوالمظفر امیر نصر کے توسل سے محمود کی بارگاہ میں رسائی حاصل کی تھی۔ فرخی اُس کے ایک اور بھائی عضد الدولہ ابو یعقوب یوسف کے ذریعہ سے تقریباً سنہ ۴۰۶ھ میں سلطانی بزم میں باریاب ہوا "چوں سلطان محمود او را متجمل دید بچشم دیگر در و نگریست و کارش بدانجا رسید کہ تا بست غلام سیمین کمر از پس او برنشستندی" (چہار مقالہ صفحہ ۵۱)۔

"فرخی نے صنایع بدایع فارسی میں ایک کتاب ترجمان البلاغۃ لکھی ہے جو اس وقت ناپید ہے لیکن رشید الدین وطواط نے اسے دیکھا تھا وہ فرخی کو ایران کا متنبی قرار دیتا ہے۔ ترجمان البلاغۃ کی نسبت شذرات

---

[1] فرخی کے متعلق معلومات کے ماخذ:۔ (۱) لباب الالباب حصہ دوم صفحہ ۴۷۔ (۲) چہار مقالہ مطبوعہ نولکشور صفحہ (۴۶) (۳) تذکرہ دولت شاہ صفحہ (۵۵) (۴) تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۹ (۵) آتشکدہ صفحہ (۸۶) (۶) خزانہ عامرہ ۳۶۷ (۷) مجمع الفصحا جلد اول صفحہ (۴۳۶) (۸) تنقید شعر العجم شیرانی اردو بابت اپریل سنہ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۶۳ (۹) آثار الکرام شمس اللہ قادری مطبوعہ اردو صفحہ ۲۸ (۱۰) لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن جلد دوم ص ۱۲۴۔ (۱۱) شعر العجم جلد اول ص ۵۸

وطواط نے اپنی کتاب حدایق السحر میں حسب ذیل خیال ظاہر کیا ہے :-

"کتابیست در معرفت بدایع شعر فارسی کہ آنرا ترجمان البلاغت خوانند من بندہ بدو بنگریستم شواہد این کتاب را ناخوش دیدم ہمہ از اشعار متکلف نظم کردہ و بطریق تعسف فراہم آوردہ و با اینہمہ از انواع خلل و علل خالی نبود"

فرخی کے دیوان (جس کے متعلق دولت شاہ نے لکھا ہے کہ ماوراء النہر میں زیادہ مقبول عام ہے اور خراسان میں کوئی بھی اُس سے واقف نہیں) کے دو قلمی نسخے برٹش میوزیم میں اور ایک انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔ سنہ ۱۳۰۱ھ میں طہران سے اس کا ایک دیوان شایع بھی ہوا تھا ۔

عسجدی ابونظر عبدالعزیز بن منصور العسجدی المروزی ۔ اس کے متعلق زیادہ معلومات نہیں حاصل ہوتے ۔ دولت شاہ نے (جس کو عسجدی کا دیوان نہیں ملا) اس کو عنصری کا شاگرد اور ہرات کا باشندہ بتایا ہے ۔ اس کے برخلاف عوفی نے اس کو مروزی لکھا ہے اور اس کی ذات کی وجہ سے مرو کو قابل فخر قرار دیتا ہے ۔

عسجدی محمود کی بزم کا ایک درخشاں رکن تھا ۔ جب محمود نے سومنات کی مہم میں فتحمندی حاصل کی تو عسجدی نے ایک زبردست قصیدہ لکھا جس کے پندرہ شعر عوفی نے نقل کئے ہیں ۔ اس قصیدے کے اشعار کے علاوہ اور بھی کئی متفرق شعر غزلوں اور قصیدوں کے لباب الالباب

میں منقول ہیں۔

عسجدی نے سلطان مسعود کے عہد حکومت میں ۴۳۲ھ میں وفات پائی[1]

اسدی حکیم ابونصر احمد بن منصور الاسدی کے متعلق اگرچہ متفرق جگہ سے مواد حاصل ہوتا ہے لیکن حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے اس پر جس تحقیق سے اپنی کتاب آثار الکرام میں اجمالی طور پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ خاص طور پر قابلِ وقعت ہے۔ ہم اسدی کے متعلق انہی کے جملے ذیل میں نقل کرتے ہیں،" اس کا سلسلہ قدیم شاعری ایران سے ملتا ہے۔ طوس کا باشندہ اور فردوسی کا استاد تھا۔ نیز فردوسی کی بہن بھی اُس سے منسوب تھی مدت تک سلطان محمود کے دربار میں رہا اور سلطان مسعود کے عہد میں ۴۲۵ھ (م ۱۰۳۳ء) سے پہلے اس کا انتقال ہوا ہے۔ اسنے اپنے قصاید کے ابتدا میں بطور تمہید مناظرات لکھے ہیں۔ ان کے بعد مدح کی جانب گریز کرتا ہے۔ ان مناظرات کی علمی دنیا میں نہایت شہرت ہے۔ منجملہ ان کے پانچ مناظروں کے

---

[1] عسجدی کے متعلق معلومات کے ماخذ:

(۱) لباب الالباب جلد (۲) صفحہ ۵۰ (۲) تذکرہ دولت شاہ صفحہ ۴۷ (۳) تاریخ فرشتہ جلد (۱) صفحہ ۳۹ (۴) مراۃ الخیال صفحہ (۲۴) (۵) آتشکدہ صفحہ ۱۳۶ (۶) مجمع الفصحاء جلد (۱) صفحہ ۳۴ (۷) لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن جلد دوم صفحہ ۱۳۲ (۸) آثار الکرام صفحہ ۳۸۷

متعلق جن کے عنوان یہ ہیں ارض و سما، لیل و نہار، قوس درمح، عرب و عجم گبر و مسلمان۔ ڈاکٹر ہرمن ایتھے (ETHE) نے ایک عالمانہ مضمون لکھ کر نیشنل اورنٹیل کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں پیش کیا ہے جو ۱۸۸۲ء میں بمقام برلن منعقد ہوا تھا اور اس کی روئداد کے صفحہ (۴۸) میں چھپا ہے[1]۔

فردوسی ابو القاسم فردوسی الطوسی کے متعلق اگرچہ متعدد مقامات سے مواد حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن سب سے زیادہ قابل وقعت مواد پروفیسر محمود شیرانی نے تنقید شعر العجم کے ضمن میں جمع کر دیا ہے۔ ان کی تحقیقات کی رو سے فردوسی کی ولادت ۳۲۲ھ و ۳۲۴ھ کے درمیان قرار پاتی ہے۔ اگرچہ وہ اپنے گاؤں کے شرفا میں سے تھا لیکن زیادہ آسودہ اور فارغ البال نہیں تھا۔ اس نے اپنے وطن ہی میں شاہنامہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور طوس کا حاکم اس کی وجہ سے اس کا قدردان بھی ہو گیا تھا۔

"فردوسی غزنین میں سلطان محمود کی تخت نشینی کے وقت پہنچا ہے

---

[1] ۔ اسدی کے متعلق معلومات کے ماخذ:۔

(۱) فرشتہ جلد (۲) صـ۳۲ (۲) دولت شاہ صـ۳۵ (۳) مرآۃ الخیال صـ۲۳ (۴) مجالس المومنین صـ۵۰ (۵) مجمع الفصحا صـ۱ (۶) لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن جلد دوم صـ۱۴۸ (۷) شعر العجم جلد اول صـ۱۲۸ (۸) تنقید شعر العجم محمود شیرانی اردو بابت اپریل ۱۹۲۳ء (۹) آثار الکرام شمس العلما قادری اردو صـ۲۹۵۔

اور شاہنامہ میں سب سے پہلی دفعہ جب سلطان محمود کا ذکر آتا ہے تو حسب ذیل خیالات ظاہر کرتا ہے :۔ "میں نے یہ نظم اسی مقصد سے لکھی ہے تاکہ ایام پیری میں اس سے نفع حاصل کروں لیکن مجھکو کوئی قدر دان میسر نہیں ملا۔ میں منتظر رہا حتیٰ کہ اس امید اور انتظار میں عمر کے ستاون سال فکر افلاس اور پریشانی میں گذار دئے جب پینسٹھ گذر کر چھیاسٹھواں سال میں لگا ضعیفی نے عصائے پیری ہاتھ میں دیدیا میری سرخ و سفید رنگت زعفرانی ہوگئی۔ بڑھاپے نے کمر جھکا دی۔ آنکھوں کی بصارت ضعیف ہوگئی۔ تب میں نے ایک آواز سنی کہ فریدوں کی تلاش کون کررہا تھا وہ دیکھو فریدوں زندہ ہوگیا اور زمین و زمانہ اس کے غلام بن گئے (یہ تلمیح ہے سلطان محمود کی تخت نشینی کی طرف) اُس نے اپنی فیاضی اور انصاف سے دنیا کو مسخر کرلیا ہے۔ اُس کی تاریخ کے آثار اور علامات سب طرف نمایاں ہیں۔ جب میں نے یہ آواز سنی اپنی کتاب اُسی کے نام پر منسوب کردی اور توقع کرتا ہوں کہ بادشاہ اِس ضعیفی کے عالم میں میری دستگیری کرے۔ اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میں اُس وقت تک تندرست رہوں کہ یہ کتاب بادشاہ کے نام پر ختم کردوں"۔ (دیکھو تنقید شعر العجم پروفیسر علامہ محمود شیرانی۔ اردو بابت جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۶)

سلطان محمود کے پہلے وزیر خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی

کے ساتھ فردوسی کے خاص تعلقات تھے۔ چنانچہ شاہنامہ میں ایک دو جگہ فردوسی نے وزیر اسفرائنی کا ذکر بھی کیا ہے۔ اگرچہ متفرق دلچسپ قصے مشہور ہیں لیکن اب تک اس بارے میں کوئی تحقیق نہ ہو سکی کہ فردوسی سلطان محمود کے دربار سے کیوں محروم واپس گیا۔ زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ فردوسی کے تعلقات غزنین سے اپنے سرپرست اور دوست وزیر اسفرائنی یعنی ہی کے عہد حکومت میں سنہ ۳۹۴ھ میں منقطع ہو گئے اور اس موقع پر سوائے پروفیسر محمود شیرانی (جنھوں نے فردوسی کے اس قطع تعلق کے متعلق کافی معلومات بہم پہنچائے ہیں۔ اور آخر میں کسی خاص نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے) کے اس جملہ کے ہم اور کچھ نہیں لکھ سکتے کہ بہرحال سائل منعم سے اور تشنہ دریا سے محروم گیا۔"

غضائری ابوزید محمد بن علی الغضائری۔ اس کا وطن رے تھا ابتدا میں بہاء الدولہ بویہ کے دربار کی قدردانیوں پر زندگی بسر کی لیکن وہاں سے بھی ہر سال سلطان محمود کی خدمت میں ایک قصیدہ لکھ کر روانہ کیا کرتا تھا۔ جس کے صلہ میں اُسے ایک ہزار دینار ملا کرتے تھے، جب بہاء الدولہ کا انتقال ہو گیا تو غضائری نے غزنین کا رخ کیا اور سلطان محمود کی بزم ادب میں شامل ہو گیا۔ یہاں اُس کی بیحد قدر کی گئی محمود کی وفات کے بعد مسعود کے اوائل عہد میں سنہ ۴۲۶ھ میں وفات پائی۔

عونی نے خاصی تعریف کرنے کے بعد اسکے پندرہ شعر بطور نمونہ نقل کئے ہیں، مرزا محمد قزوینی نے "لسان العرب" اور "تاج العروس" کے حوالہ سے اس کے تخلص غضائری کی لفظی تحقیق کی ہے[1]

منشوری ابوسعید احمد بن محمد المنشوری۔ سمرقند وطن تھا۔ عوفی نے اپنی عام طرز کے مطابق اُس کی تعریف کرنے کے بعد سلطان محمود کی مدح میں اُس کے قصیدہ کے اور چند دیگر اشعار نقل کئے ہیں۔ منشوری سلطان محمود کی بزم ادب میں شامل تھا۔ رشید الدین وطواط نے حدائق السحر میں لکھا ہے کہ اس نے صنعت تلون کو مختصر کیا ہے اور خورشیدی نے اس کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام کنز الغرائب ہے"۔ براؤن نے اُس کو غزنوی دور کے معمولی شاعروں میں شمار کیا ہے[2]

---

[1] غضائری کے متعلق معلومات کے ماخذ۔
(۱) لباب الالباب جلد دوم صفحہ ۵۹ (۲) چہار مقالہ (گب موریل) صفحات ۲۸ و ۱۳۵ (۳) تذکرہ دولت شاہ صفحہ (۴۲) (۴) خزانہ عامرہ صفحہ ۳۶۱ (۵) مجالس المومنین صفحہ (۵۰۵) (۶) مراۃ الخیال صفحہ (۲۲) (۷) فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۹ (۸) لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن جلد دوم صفحہ ۱۵۶ (۹) آثار الکرام صفحہ ۲۸۷)

[2] منشوری کے متعلق معلومات کے ماخذ۔ (۱) لباب الالباب جلد دوم صفحہ ۴۴ تا ۴۶ (۲) چہار مقالہ گب موریل صفحہ ۲۸-۱۳۴-۱۳۵- (۳) حدائق السحر صفحہ (۱۱) (۴) مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۵۰۶ (۵) لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔ براؤن جلد دوم صفحہ ۱۰۱) (۶) آثار الکرام

امیر قائنی الامیر بزرجمہر حشیم بن ابراہیم ابو منصور القائنی سلطان محمود اور مسعود دونوں کا معاصر ہے۔"ذی ثروت اور دولتمند امیر تھا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتا تھا۔ فارسی کلام عوفی نے نقل کیا ہے۔ عربی قصاید جو سلطان محمود کی مدح میں ہیں اُن کے بعض انتخاب امام ثعالبی کی کتاب یتیمۃ الدہر میں مذکور ہیں" عوفی نے اُس کا جو فارسی کلام نقل کیا ہے اِس میں سلطان محمود کی مدح کے اور چند دیگر شعر کل سات ہیں۔ لباب میں امیر قائنی کے دو عربی شعر بھی یتیمۃ سے منقول ہیں۔ مرزا محمد قزوینی نے اُس کے متعلق اپنی چہار مقالہ میں ابو منصور ثعالبی کی عبارت اور چند عربی شعر نقل کئے ہیں[1]۔

اِن چند شاعروں کے علاوہ سلطان محمود غزنوی کی بزم ادب میں کئی اور شاعر قابل ذکر ہیں لیکن ان کے متعلق اس وقت ہمیں کافی مواد حاصل نہیں۔ عوفی نے جن محمودی شعرا کا ذکر کیا ہے اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

(۱) کسائی مروزی (۲) زینتی علوی محمودی۔ (۳) لبیبی الادیبی۔

سلہ قائنی کے متعلق معلومات کے اخذ۔

[1] لباب الالباب صفحہ ۳۳، (۲) چہار مقالہ (گب موریل صفحہ ۳۸-۱۳۳-۱۳۴) (۳) مجمع الفصحا رجلد (۱) صفحہ (۶۶) (۴) آثار الکرام صفحہ (۳۹۲)

(۴) ابو سراقہ عبدالرحمٰن بن احمد بلخی (۵) ابوالفضل مسرور بن محمد الطالقانی

(٦) ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن محمد عطاری۔

اگرچہ لباب الالباب میں اِن میں سے ہر ایک کے متعلق چار پانچ سطریں ضرور لکھی گئی ہیں۔ اور ہر ایک کے متعدد اشعار بطور نمونہ کے نقل بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اِس قدر سطحی ہے کہ اِس کے ذریعہ سے ہم اُن کے متعلق کوئی خاص بات نہیں معلوم کر سکتے۔

(تو)

(۵)

سلطان محمود غزنوی دور کے علمی و ادبی احسانات

محمود کے متعلق غلط فہمیاں

سلطان محمود پر سیاسی نقطہ نظر سے جس قدر اعتراضات کیے جا سکتے ہیں اُن کے متعلق بحث کرنا ہمارے موجودہ موضوع سے باہر ہے اسکی زندگی کے علمی و ادبی پہلو سے متعلق جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ سب سے پہلا اور بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ عالموں اور شاعروں کا حقیقی قدر دان نہ تھا بلکہ انھیں اپنی شہرت کے بھینٹ چڑھایا کرتا تھا[1]۔ اس کی مثال ابو ریحان بیرونی کے اُس واقعہ سے دیجاتی ہے

---

[1] پروفیسر براؤن بھی اس قسم کے خیالات کے علم بردار ہیں - دیکھو لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد (۲) صفحات (۹۵) اور (۱۵۲)

جو چہار مقالہ کی ایک حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

"یمین الدولہ سلطان محمود بن ناصر الدین بشہر غزنین بر بالائے کوشکے
در چہار دری نشستہ بود۔ بباغ ہزار درخت روئے بہ ابوریحان
کرد و گفت من ازیں چہار در از کدام در بیرون خواہم رفت حکم کن
و اختیار آن بر پارہ کاغذ نویس و در زیر نہالی من نہ۔ و ایں ہر چہار
در راہ گذر داشت۔ ابوریحان اسطرلاب خواست و ارتفاع
بگرفت و طالع راست کرد و ساعتی اندیشہ نمود و بر پارہ کاغذ نوشت
و در زیر نہالی نہاد محمود گفت حکم کردی گفت کردم۔ محمود بفرمود
تا کنندہ و تیشہ و بیل آوردند۔ بر دیوارے کہ بجانب مشرق است
درے پنجمین بکندند۔ و از آن در بیروں رفت و گفت۔ آں کاغذ
پارہ بیاوردند۔ ابوریحان بر وے نوشتہ بود کہ ازیں چہار در ہیچ
بیرون نشود۔ بر دیوار مشرق درے کنند و ازان در بیرون شود
محمود چوں بخواند طیرہ گشت گفت اورا بمیان سرائے فرو اندازند
چناں کردند مگر بابام میانگین دامے بستہ بود ابوریحان برآن
دام آمد و دام بدرید و آہستہ بزمین فرود آمد۔ چنانکہ بر وے
افگار نشد محمود گفت اورا برآرید۔ برآوردند۔ گفت یا بوریحان
ازیں حال باری ندانستہ بودی ؟ گفت اے خداوند!

دانستہ بودم۔ گفت دلیل کو؟ غلام را آواز داد و تقویم از غلام بستد و تحویل خویش از میان تقویم بیرون کرد۔ در احکام آن روز نوشتہ بود کہ مرا از جائے بلند بیندازند۔ ولیکن بسلامت بزمین آیم و تندرست برخیزم۔ ایں سخن نیز موافق رائے محمود نیامد طیرہ ترگشت۔ گفت او را بقلعہ برید و باز دارید او را بقلعہ غزنین باز داشتند و شش ماہ در آں حبس بماند"

اسی کے سلسلہ میں ایک دوسری حکایت بھی پیش کی گئی ہے جسمیں محمود ابوریحان کو قید خانہ سے بلا کر معافی چاہتا ہے اور انعام و اکرام سے سرفراز کر کے کہتا ہے کہ "یا بوریحان! اگر خواہی کہ از من برخوردار باشی سخن بر مراد من گو نہ بر سلطنت علم خویش "

اس واقعہ کے صحیح یا جھوٹ ہونے کے متعلق فی الحال کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تاہم یہ ضرور ہے کہ یہ حکایت نہایت شک آمیز ہے اور بہت ممکن ہے کہ غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظامی عروضی نے چہار مقالہ میں اس سے زیادہ غلط امور قلمبند کر دئے ہیں نہ صرف سنی سنائی باتوں اور قصہ کہانیوں بلکہ تاریخی امور میں بھی نظامی نے بعض جگہ نہایت بے موقع اور بیہودہ واقعات لکھے ہیں۔ مرزا محمد قزوینی نے چہار مقالہ (مطبوعہ گب موریل) پر جو مقدمہ لکھا ہے

اس میں نظامی کی جن غلطیوں کو پیش نظر کر دیا ہے ۔ انہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں ۔ جن پر ایک نظر ڈال لینے سے معلوم ہو جائے گا کہ نظامی نے کس قسم کی اہم تاریخی غلطیاں کی ہیں ۔

(۱) ابوالقاسم علی بن محمد اسکافی نیشاپوری کو نوح بن منصور بن نوح بن نصر بن احمد سامانی کا وزیر لکھا ہے ۔ حالانکہ وہ اُس کے دادا نوح بن نصر کا وزیر تھا اور اس کے جلوس سے بیس سال قبل ہی انتقال کر چکا تھا دیکھو چہار مقالہ صفحات (۱۳-۱۶) اور (۱۰۳) ۔

(۲) الپتگین بانی خاندان غزنویہ کو متذکرہ بالا نوح بن منصور کا معاصر قرار دیا ہے ۔ حالانکہ وہ بھی نوح کے جلوس سے ایک عرصہ قبل ہی انتقال کر چکا تھا ۔ اور نوح کے زمانہ میں موجود نہ تھا ۔

دیکھو چہار مقالہ (صفحات ۱۳-۱۴-۱۰۳-۱۰۴)

(۳) یہ فرض کیا ہے کہ سبکتگین نے سیمجوریوں سے ملکر خراسان پر لشکرکشی کی اور الپتگین سے جنگ کیا ۔ حالانکہ الپتگین اس واقعہ سے تقریباً تیس سال قبل ہی وفات پا چکا تھا اور اس وقت بھی خود سبکتگین نے سیمجوریوں سے جنگ کی تھی نہ کہ ان سے ملکر کسی اور کا مقابلہ کیا ۔ یہ نہایت مشہور تاریخی واقعہ ہے ۔

دیکھو چہار مقالہ صفحات (۱۳-۱۴-۱۰۳-۱۰۴)

۴ - سامانیوں کے ایک مشہور سردار ابو علی احمد بن محتاج چغانی کو (علاوہ ان غلطیوں کے جو اس کے نام شہر اور منصب کے متعلق کی ہیں اور اس کو ابوالحسن علی بن محتاج الکشانی حاجب الباب لکھا ہے) نوح ابن منصور سامانی کا معاصر خیال کیا ہے۔ حالانکہ وہ نوح کے جلوس سے بائیس سال قبل مر چکا تھا اور اس کی بادشاہت کے زمانہ میں زندہ نہیں تھا۔

دیکھو چہار مقالہ صفحات (۱۴-۱۰۴-۱۰۵)

(۵) اسی ابو علی بن محتاج کو سبکتگین کے خراسان پر لشکر کشی کرنے کے زمانہ میں زندہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ اس واقعہ سے انچالیس سال قبل انتقال کر چکا تھا (صفحات ۱۴-۱۰۴-۱۰۵ چہار مقالہ)

(۶) ماکان بن کاکی کو نوح بن منصور بن نوح بن نصر بن احمد سامانی کا معاصر خیال کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے پردادا نصر بن احمد کا معاصر تھا اور اس سے انچالیس سال پہلے مر چکا تھا۔

دیکھو چہار مقالہ صفحات (۱۵-۱۶-۱۰۵)

۷ - سامانیوں کے اس لشکر کے سردار کو جس نے ماکان بن کاکی سے جنگ کیا اور اس کو مار ڈالا تاش سپہ سالار کے نام سے موسوم کیا ہے حالانکہ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ اس جنگ میں ابو علی بن محتاج چغانی سپہ سالار تھا۔ چہار مقالہ صفحات (۱۵-۱۶-۱۰۶)

(۸) حسن بن سہل کو اُس کے بھائی فضل بن سہل سے ملا دیا ہے۔ اور حسن کو ذو الریاستین لکھا ہے۔ حالانکہ یہ اس کے بھائی فضل بن سہل کا لقب تھا۔ پوران زوجۂ مامون رشید کو فضل بن سہل کی دختر قرار دیا ہے حالانکہ وہ اُس کے بھائی حسن بن سہل کی لڑکی تھی۔

دیکھو چہار مقالہ صفحات (۱۹ -۱۰۹- ۱۱۰)

۹۔ سلطان مسعود سلجوقی اور سلطان سنجر میں اشتباہ کر دیا ہے۔ اور المسترشد باللہ کی لشکرکشی کا مقصد سلطان سنجر سے جنگ کرنا قرار دیا ہے۔ حالانکہ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ المسترشد سلطان مسعود سے جنگ کرنے نکلا تھا نہ کہ سلطان سنجر سے

دیکھو چہار مقالہ صفحات (۲۱ -۲۲ - ۱۱۱)

۱۰ - ایلک خان کو جو ماوراء النہر کے ملوک خانیہ سے تھا بغرا خان کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور بغرا خان کو سلطان محمود کا معاصر قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کا معاصر ایلک خان تھا۔

دیکھو چہار مقالہ صفحات (۲۴ - ۲۵ -۱۲۱ - ۱۳۳)

۱۱۔ مسعود سعد سلمان کے متعلق کئی تاریخی غلطیاں کی ہیں جس کے متعلق مرزا محمد قزوینی نے حواشی چہار مقالہ میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے چہار مقالہ صفحات (۴۴ - ۴۵ - ۱۷۸ - ۱۸۲)

(۱۲) ایک جعلی شخص موسوم بہ امیر شہاب الدین قتلمش الپ غازی ۔ (دیکھو صفحہ ۴۵) کا جہاں ذکر کیا ہے ۔ تو ایک دو سطروں ہی میں پانچ سات ایسی غلطیاں کردی ہیں کہ انکی اصلاح ناممکن سی معلوم ہوتی ہے اور لطف یہ ہے کہ مصنف نے اس کو اپنے ذاتی تجربہ کے طور پر لکھا ہے قزوینی نے اس کے متعلق اپنے حواشی میں مفصل بحث کی ہے ۔

۱۳۔ یعقوب ابن اسحاق کندی کو جو فیلسوف عرب کے نام سے مشہور تھا ۔ جس کے آبا و اجداد مشہور ترین مسلمانوں میں تھے اور خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے مقتدر حاکم اور عامل تھے ۔ اور جس کے جد امجد اشعث بن قیس حضرت رسولؐ خدا کے صحابہ میں سے تھے ۔ یہودی قرار دیا ہے اور اسی بیہودہ بنیاد پر ایک طویل حکایت لکھی ہے جو اول سے آخر تک غلط اور لایعنی باتوں سے بھری ہوئی ہے ۔

دیکھو چہار مقالہ ۔ صفحہ (۵۵ - ۵۶ اور ۲۰۳ - ۲۰۴)

۱۴ ۔ خواجہ نظام الملک طوسی کی وفات باطنیوں کے ہاتھ سے بغداد میں ظاہر کرتا ہے ۔ حالانکہ وہ نہاوند میں قتل ہوا ۔

دیکھو چہار مقالہ دیکھو صفحہ (۶۶ اور ۲۰۷)

۱۵ ۔ مشہور مسلمان طبیب محمد بن زکریا رازی کو منصور بن نوح سامانی کا وزیر لکھدیا ہے ۔ حالانکہ وہ منصور کے سنہ جلوس سے تقریباً ۲۰ سال قبل

وفات پاچکا تھا۔ ایسی باطل بنیاد پر ایک بڑی حکایت لکھی ہے۔ جو
سرتاپا بیہودگیوں سے معمور ہے۔

چہار مقالہ دیکھو صفحات (۴۳-۴۷ اور ۲۴۰-۲۴۱)

۱۶-۱۷- علاءالدولہ بن کاکویہ کو شمس الدولہ بن فخر الدولہ سمجھ لیا
اور ابو علی سینا کو علاءالدولہ کا وزیر قرار دیا حالانکہ وہ شمس الدولہ کا
وزیر تھا۔ نیز یہ کہ ابو علی نے ہمدان میں وزارت کی اور نظامی نے
لکھا ہے کہ وہ رے میں وزیر ہوا۔

غرض جس شخص نے مشہور تاریخی واقعات کے متعلق اس قدر
فاش غلطیاں کی ہیں (جن میں سے بعض کو وہ اپنا ذاتی تجربہ بھی قرار
دیتا ہے۔) اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ ابوریحان کے واقعہ میں صحت
کا لحاظ رکھتا۔ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حکیم یا منجم کے ساتھ کسی
اور بادشاہ نے اس قسم کا سلوک کیا ہو اور روایت نظامی تک اسطرح
پہنچی ہو یا خود اس نے اس کو اسطرح لکھدیا ہو۔

دوسرے قسم کا اعتراض جو محمود پر کیا جاتا ہے وہ اُس کا بخل ہے
اس کے متعلق ابن اثیر نے چند پر لطف قصے نقل کئے ہیں۔ اور لکھا
ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے کردار میں صرف ایک چیز خراب ہے
جو اُس کا لالچی اور بخیل ہونا ہے۔ اِسی قسم کے اعتراضات میں

فردوسی کا مشہورِ عالم فسانہ بھی آجاتا ہے۔ لیکن متذکرہ بالا قصہ کی طرح فردوسی کے واقعہ کے متعلق بھی کوئی قطعی تصفیہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ فردوسی محمود کے دربار سے نامراد واپس گیا۔ اس کا اصلی سبب محمود غزنوی کا بخل تھا یا یہ قصہ بھی پہلے قسم کے اعتراضوں میں شامل ہے اس کی نسبت کسی ایک رائے تک پہنچنے کے لئے ہماری موجودہ معلومات ناکافی ہیں۔ اگر بفرض محال ہم ان دونوں قصوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان کا محمود کے عام کردار اور علمی احسانات پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

محمود کی علمی و ادبی قدر دانیاں

بقول شیرانی "اگر آج ہمارے پاس تاج الفتوح مقامات ابو نصر مشکانی "تاریخ محمودی ابوالفضل بیہقی" تاریخ ملا محمد غزنوی اور تاریخ محمود وراق موجود ہوتیں تو ہم محمود کی فیاضی، سرپرستی، علوم و فنون اور قدر دانیٔ شعرا کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے قابل ہو سکتے" تاہم اس قسم کی جس قدر بھی معلومات ہمیں اس وقت دستیاب ہو سکتی ہیں۔ انہی کے ذریعہ سے ہم یہاں محمود کے متعلق اعتراضات پر بحث کریں گے۔

(۱) ابوالفضل بیہقی نے ابوالخیر خمار نصرانی کے متعلق لکھا ہے کہ "سلطان محمود با او در نہایت اکرام و غایت تجلیل اختیار نمود بجدیکہ گویند

زمین را در مقابل او بوسید" - خمار انہی تین حکماء میں سے ہے جو سلطان محمود کی طلبی پر خوارزم کے دربار سے غزنین جانے پر آمادہ ہو گئے تھے اور جن میں سے ایک ابوریحان بھی تھا - تعجب ہے کہ محمود ایک نصرانی حکیم خمار کی قدر و منزلت تو اس قدر کرے اور ابوریحان کو قید کرا دے!

۲- غضائری غزنین آنے سے پہلے جب بہاء الدولہ بویہ کے دربار میں تھا تو ہر سال محمود کی خدمت میں ایک قصیدہ روانہ کیا کرتا تھا جسکے صلہ میں محمود اس کو ایک ہزار دینار انعام عطا کیا کرتا تھا [1]

(۳) ایک دفعہ محمود کی فرمایش سے غضائری نے ایک رباعی لکھی جس کے صلہ میں سلطان نے دو ہزار دینار عطا کئے اس کے بعد غضائری نے ایک غزل پڑھی جو سلطان کو پسند آئی اور اُس نے صلہ کو المضاعف کر دیا - اس عنایت کے شکریہ میں غضائری نے ایک مطول قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

اگر مراد بجاہ اندرست وجاہ بمال مرا ببیں کہ ببینی جمال را بکمال

فرشتہ کہتا ہے کہ جب یہ قصیدہ سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوا تو اُس نے چودہ ہزار درہم پھر عنایت کئے اس عطیۂ بے کراں کو دیکھ کر عنصری

---

[1] غضائری کو جو انعامات محمودی دربار سے ملے ہیں ان کی تفصیل خزانہ عامرہ میں موجود ہے -

نے بیحد پیچ و تاب کھائے۔ اور اس قصیدہ کے جواب میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

خدائگانِ خراسان و آفتاب کمال   کہ وقف کرد براو ذوالجلال عزّو جلال

سلطان نے عنصری کو بھی اسی قدر رقم عنایت کی۔

۴۔ عنصری کی بھی سلطان نے خاصی قدر و منزلت کی۔ ملک الشعرا کا خطاب دیکر دربار کے شاعروں کا افسر مقرر کیا۔ اُس کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کا یہ حال تھا کہ اُس کا کھانا سونے چاندی کے برتنوں میں پکتا تھا۔ اور جب وہ مکان سے باہر نکلتا تھا تو چار سو زرین کمر غلام اُس کے ہمرکاب رہا کرتے تھے۔

(۵) چہار مقالہ میں لکھا ہے کہ عنصری نے جب یہ رباعی سلطان کے سامنے جاکر پڑھی ؎

کے عیب سر زلف بت از کاستن است   چہ جائے بغم نشستن و خاستن است

جائے طرب و نشاط و مے خواستن است   کاراستنِ سرو زپیراستن است

تو سلطان کا سارا غم دور ہوگیا اور اُس نے حکم دیا کہ تین بار عنصری کا منہ جواہرات سے بھرا جائے۔ دیکھو صفحات (۴۴-۴۵)

۶۔ عنصری کی طرح فرخی بھی سلطان کی بزم ادب میں اس قدر سرفراز ہوا کہ جب باہر نکلتا تو بیس زرّین کمر غلام اُس کی سواری کی

جلو میں چلا کرتے تھے۔

۷۔ ۱۰۲۳ء میں سلطان محمود نے قلعہ کالنجر کا محاصرہ کیا۔ تو وہاں کے راجہ نندا نے ۳۰۰ ہاتھی دیکر صلح کرلی اور ہندی زبان میں ایک قصیدہ مدحیہ لکھ کر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ دربار میں ہند اور عرب و عجم کے جو علما رتھے انھیں سلطان نے یہ قصیدہ سنایا سبھوں نے اُس کی تعریف و توصیف کی تو سلطان نے اُس کے صلہ میں نندا کے تمام علاقے واپس کردئے اور علاوہ اس کے چودہ قلعوں کو اپنی طرف[۱] سے اُسے دیدیا۔"

۸۔ محمود کی "پیل بار انعام بخشیاں" ضرب المثل کے طور پر مشہور ہوگئی تھیں۔ وہ ہاتھی بھر بھر کر انعامات دینے کا عادی تھا۔ فارسی شاعری میں ایسی تلمیحیں موجود ہیں جن میں سلطان محمود کے انعامی ہاتھیوں کا ذکر آتا ہے[۲] نظامی فرماتے ہیں ؎

مرا پیلبار از تو مقصود نیست   کہ پیل تو چوں پیل محمود نیست

غضائری ایک موقع پر کہتا ہے ؎

امید وارم کیں بار صد ہزار تمام   بمن بیارد و بر پائے پیل بر متیال

---

[۱] ۔ ماخوذ از آثار الکرام صفحہ ۲۷۹ جس میں تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری سے مواد حاصل کیا گیا ہے

[۲] ۔ ماخوذ از تنقید شعر العجم محمود شیرانی مطبوعہ اردو ۔

ایک دوسری جگہ غضائری کہتا ہے[1]

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہاں ۔ بر آن صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم ۔ برغم حاسد و تیمار بدسگال نکال

خاقانی عنصری کی دولتمندی کا ذکر کرتا ہے

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگداں ۔ ز زر ساخت آلاتِ خوان عنصری

انوری کہتا ہے

چند گوئی عنصری را شعر نیکو آمد است ۔ دولت محمود بود است آں نہ طبع عنصری

۹۔ سلطان محمود اپنی بزم ادب کے شعرا پر سالانہ چار لاکھ دینار صرف کیا کرتا تھا۔ ہر نئے شاعر کو اُس کے دربار میں عزت کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی۔ وہ شاعروں کو دیکھ کر مسرور ہوتا تھا۔ فرخی کہتا ہے

تو از دیدار ما چو ہمچناں شاداں شوی شاہا ۔ کہ ہرگز سیم ازان وامق نگشت از دیدن عذرا
طواف شاعران بینم بگرد مقر تو دائم ۔ ہمانا قصر تو کعبہ است و گرد قصر تو بطحا

کیا فیاضیوں کے ایک ایسے ناپیدا کراں بحرِ مواج سے تشنہ لب جانا فردوسی کی بدقسمتی نہیں ہے؟ محمود کے نزدیک اُس محمود کے نزدیک جس نے ابر نیساں بنکر شاعروں پر لکھوکھا اشرفیوں کی بارش کی ساٹھ ہزار اشرفیاں دینا کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن جب فردوسی

---

[1] ماخوذ از شعر العجم جلد اول۔

کا ظرف قسمت ہی ایسا نہ ہو کہ اُس کو حاصل کر سکے تو اس کا کیا علاج ؟
یہ بھی دنیائے ادب کا ایک معمّہ ہے کہ معمولی معمولی شاعر تو لکھو کھا روپے
انعاموں میں حاصل کریں اور فردوسی جیسا زبردست شاعر اور رزمیہ نگار
قطعاً محروم رہ جائے۔ لیکن کیا صرف ایک بدقسمت فردوسی کے قصہ کو
چمکانا اور محمود کی دوسری تمام فیاضیوں کو تاریکی میں رکھنے کی کوشش
کرنا اور اِس امر کا دعویٰ کرنا کہ محمود بخیل اور حریص تھا۔ انصاف
کا خون کرنا نہیں ہے۔ ؟

محمود بالطبع حریص صحیح بخیل صحیح لیکن اُس نے عام شاعروں کے
ساتھ جو سلوک کیا وہ اِس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ
فردوسی کے ساتھ بھی سلوک کر سکتا تھا۔ لیکن نہ معلوم کونسا ایسا منحوس
واقعہ پیش آگیا کہ فردوسی کو اُس کی بارگاہ سے مایوس جانا پڑا اور
اِس کے باعث محمود کے خلاف خیالات پھیلانے والوں کو ہمیشہ
کے لئے موقع ملگیا کہ وہ اُس کو بُرا کہہ کہہ کر اُس کی علمی و ادبی خدمات
سے بھی اُس کی زندگی کے عظیم الشان کارناموں کو محروم کردیں۔

اِس حقیقت پر ہم نے پہلے بھی زور دیا ہے کہ اگر محمود در اصل
شاعروں اور عالموں کا قدر داں نہیں تھا اور اگر اس نے اپنے
دربار میں اُن کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا ہے تو کیا آج سوائے چہار مقالہ

کی ایک شک آمیز روایت کے جو البیرونی کی نسبت ہے اور کیا سوائے اُس طشت از بام افسانہ کے جو فردوسی سے متعلق ہے ہمیں اُس کی ناقدردانی اور بدسلوکی کی کوئی اور مثال ہمدست نہ ہو سکتی ؟ کیا اُس کے مخالفین جنہوں نے اُس کو بدنام کرنے کی پُراسرار کوشش کی ہے اِن دو قصّوں کے علاوہ اِس قسم کے اور واقعات ثبوت کے لئے نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ اگر انہیں کہیں بھی ذرا سا ان امور کی طرف اشارہ نظر آتا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اُس کو اُجاگر کر کے محمود کی برائیوں کا ایک زبردست قلعہ تعمیر کر دیتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محمود کی عالمگیر فیاضیوں اور قدردانیوں نے اِس امر کا کہیں موقع نہیں دیا۔

محمود کے متعلق بعض قدیم مصنفین کی رائیں

اگر محمود علم و ادب کا حقیقی قدردان نہ ہوتا اور البیرونی کے شک آمیز واقعہ کے مطابق وہ اپنے دربار میں علماء و فضلاء کو ذلیل کیا کرتا تو کیا اُس کے بعد کے مصنفین اِس امر کی طرف کہیں بھی اشارہ نہ کر دیتے ؟ اِس قسم کی شکایت کے برخلاف جب ہم محمود کے بعد کی چند تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں حسبِ ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں :-

(۱) محمد عوفی نے لباب الالباب میں محمود کی جہانگیری اور کشور کشائی وغیرہ کی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"با ایں ہمہ مشاغل از تربیت علما و اماثل ہیچ دقیقہ اہمال نکردے و بمجاورت ایشاں رغبت صادق داشتے۔ و بمجاورت ایشاں استیناس جستے و شعرا را صلات فاخر و جواہر سخا فرمودے تا لاجرم ہر یک بقدر وسع و طاقت خود ذکر جمیل و نام نیک او را مخلد گردانیدند و بنظم و نثر تازی و پارسی در محامد و مآثر او دفترہا ساختند"۔ (دیکھو جلد اول صفحہ ۲۴)

(۲) حمداللہ مستوفی اپنی تاریخ گزیدہ میں محمود کے متعلق رقم طراز ہے۔

"مآثر او از آفتاب روشن تر است و مساعی او در روزگار دین از شرح و وصف مستغنی۔ کتاب یمینی مقامات ابو نصر مشکان و مجلدات ابو الفضل شیبانی شاہد حال اوست۔ علما و شعرا را دوست داشتے۔ و در حق ایشاں عطائے جزیل فرمودے ہر سال زیادت از چہار صد ہزار دینار او را بدیں جماعت صرف شدے"۔ (دیکھو تاریخ گزیدہ صفحہ ۳۹۵)

۳۔ مجمع الفصحا میں محمود کے متعلق لکھا ہے۔

چوں دولت ملوک آل ناصر و غزنویہ بلند آوازہ آمد سلطان محمود

بن ناصر الدین سبکتگین در تربیت شعرا کوشیدہ و بہ تکمیل

مستعدان عہد جہد کرد۔ چناں کہ ثروت حکیم ابوالقاسم عنصری

از دولت عبداللہ رودکی درگذشت و چہار صد تن شاعر

ماہر قادر۔ درآں والا دولت تربیت یافتند"۔

(مجمع الفصحاء جلد اول ذکر محمود)

۴۔ سلطان کی علم دوستی کے متعلق بحر الفوائد میں جو منتصف

قرن ششم ہجری کی فارسی زبان میں ایک تصنیف ہے اور ملک شام میں

اتابک ابی سعید ارسلان آبہ بن آق سنقر کے لئے لکھی گئی ہے روایت

ذیل مرقوم ہے:۔

سلطان غازی محمود سبکتگین گفت ہمہ مرادہائے جہاں در جہاں

یافتم مگر یک آرزو دفترہا خواندن و خبرہائے گذشتگان دانستن

پس بفرمود تا در شہر غزنین کتب خانہ بساختند چون شب درآمدے

علما را جمع کردے تا میخواندندے"۔

(ماخوذ از تنقید شعر العجم مطبوعہ اردو

بابت اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۵۲۵)

۵۔ سلطان محمود کے انتقال کے بعد فرخی نے جو مرثیہ لکھا ہے وہ

بھی یہاں نقل کئے جانے کے قابل ہے۔ کیونکہ وہ ایک شاعر

کے دل کی پُر خلوص صدا ہے جو اپنے محسن کی وفات سے متاثر ہونے کے بعد بغیر کسی خاص غرض کے اُس کے دل سے پھوٹ نکلی ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود غزنوی درحقیقت شعرا کا کس قدر سرپرست و مربی تھا۔ بعض شعر ملاحظہ ہوں ؎

شہر غزنین نہ ہماں است کہ من دیدم پار | چہ فتاد است کہ امروز دگرگون شد کار
کوہہا بینم پر شورش و سرتاسر کوئے | ہمہ پر جوشن و جوشن در و پر خیل و سوار
مہتراں بینم بر روئے زناں ہمچو زناں | چشمہا کردہ ز خون نابہ برنگ گلنار
ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا | دشمنے روئے نہاد است در شہر و دیار
سیر می خوردہ بگردی کہ بخفتہ است امروز | دیر تر خواست مگر رنج رسیدش ز خمار
خیز شاہا کہ رسولان شہاں آمدہ اند | ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار
کہ تواند کہ برانگیزد ازیں خواب ترا | خفتنی خفتہ کز خواب نگردی بیدار
خفتن بسیار اے خواجہ خوئے تو نبود | ہیچ کس خفتہ ندید است ترازیں کردار
شعرا را بہ تو بازار برافروختہ بود | رفتی و با تو بیک بارہ برفت آں بازار

۶۔ جب سلطان علاء الدین حسین غوری نے اپنے دو بھائیوں قطب الدین محمد اور سیف الدین سوری کے خون کا بدلہ لینے کے لیے غزنین پر حملہ کرکے اس کو تاخت و تاراج کر دیا اور تمام غزنوی حکمرانوں (سوائے محمود، مسعود اور ابراہیم) کی لاشوں اور قبروں کو اکھاڑ پھینکا اور

محمودی نشانیوں کو ملیامیٹ کر دیا تو اُس وقت بھی اُس کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے جو فردوسی نے محمود کی مدح میں لکھے تھے ؎

چو کودک لب از شیر مادر بشست ز گہوارہ محمود گوید نخست
بہ تن زندہ پیل و بجاں جبرئیل بکف ابر بہمن بدل رود نیل
جہاندار محمود شاہ بزرگ بہ آبشخور آرد ہمی میش و گرگ

ایسے نازک موقع پر جب کہ بھائیوں کے خون کے انتقام کے لئے علاء الدین سراپا آگ بنکر جہاں سوز بنا ہوا تھا۔ اپنے دشمنوں کے بادشاہ اور اپنے بھائیوں کے قاتل کے دادا کو اُس کا اس طرح یاد کرنا سوائے سلطان محمود کی علمی اقبال مندی کے اور کوئی بات نہیں۔

محمود کی علمی و ادبی قدر دانیوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے اور اُس کے متعلق بعض مشہور مصنفین کے خیالات پیش کرنے کے بعد اب ہم محمودی عہد کے ان کارنمایاں کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے فارسی نظم و نثر میں کافی اضافہ ہوا جس کی باعث ادبیات فارسی ہمیشہ محمود کی مرہون منت رہے گی اور جس کے دیکھنے سے محمود کی حقیقی علمی خدمات کا صحیح نقش ہمارے ذہنوں پر مرتسم ہو سکتا ہے۔

محمود کے احسانات فارسی نظم اور نثر پر

(۱) سلطان محمود نے اپنی بزمِ ادب کے ایک رکن محمد بن محمود الیدالیعی بلخی سے فرمایش

کر کے نصیحت نامہ نوشیروان کو بحر تقارب میں منظوم کرایا۔ یہ کتاب اس وقت کمیاب ہے صاحب مجمع الفصحا نے اس کے متفرق اشعار نقل کئے ہیں۔

۲۔ سلطان محمود ہی کی بزم ادب کے ایک اور رکن منشوری (جسکا ذکر گذشتہ فصل میں آچکا ہے) نے صنعت تلون کو مختصر کیا اسکا ذکر رشید الدین وطواط نے حدائق السحر میں کیا ہے۔ خورشیدی نے منشوری کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام کنز الغرائب ہے۔

۳۔ سلطان محمود کی بزم ادب کے ایک زبردست رکن فرخی نے صنایع بدایع فارسی کے متعلق نثر میں ایک کتاب ترجمان البلاغت لکھی جو اس وقت ناپید ہے۔ رشید الدین وطواط نے اسے دیکھا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب حدائق السحر میں اس کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے۔ اس کو ہم نے فرخی کے تذکرہ میں نقل کر دیا ہے۔

(۴) البیرونی نے سنسکرت زبان کی تحصیل سلطان محمود ہی کے طفیل میں کی تھی۔ اگر اس کا تعلق سلطان محمود کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ سنسکرت کی بیس سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ یا خلاصہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ نیز کتاب الہند جیسی مشہور و معروف کتاب سلطان محمود ہی کے زمانہ میں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ البیرونی کی چند اور کتابیں بھی غزنوی دور ہی کی مرتبہ تصنیف ہیں۔

۵- بیرونی کی طرح امام ثعالبی کی بھی کئی کتابیں سلطان محمود کی قدردانیوں کی پیداوار کہی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ ثعالبی کے تذکرہ میں ہم نے ان کا ذکر کردیا ہے۔

۶- سلطان محمود نے غزنین میں مسجد کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ بنوایا۔ اس میں کتب خانہ بھی قایم کیا۔ جس میں نفیس و نادر کتابیں جمع کیں اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کئے۔[1]

۷- فارسی زبان کے قصیدوں میں مناظرہ نگاری کو اسی کی بزم ادب کے ایک رکن احمد اسدی نے معراج کمال پر پہنچا دیا۔ اس کے متعلق ایتھے نے ایک نہایت فاضلانہ مضمون لکھا ہے۔

۸- قصیدہ میں مخلص اور گریز سب سے زیادہ اہم چیزیں ہیں۔ سلطان محمود کے دربار کا ملک الشعرا عنصری سب سے پہلا شخص ہے جس نے مدح کی طرف گریز کرنے کے نہایت پرلطف اور جدت آمیز پیرائے اختیار کرکے فارسی قصیدہ گوئی میں نئے عنصروں کا اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ عنصری اور فرخی نے قصیدہ کو جو اس وقت صرف مدحت طرازی اور خوشامد کے لئے وقف ہو گیا تھا واقعہ نگاری سے بھی روشناس کرایا۔ عنصری نے اپنے اکثر قصیدوں میں سلطان محمود کی معرکہ آرائیوں کے دلچسپ مرقعے پیش کئے ہیں فرخی نے

[1] اس حصہ کی کئی معلومات آثار الکرام حکیم شمس النسر قادری سے ماخوذ ہیں۔

بھی واقعہ نگاری کا خاص طور پر لحاظ رکھا۔ اور ایسی زبان استعمال کی جو اُس زمانہ کے لحاظ سے ایک معجزہ کہی جا سکتی ہے۔ قاآنی نے جو بات ایک ہزار برس کے بعد حاصل کی فرخی نے اسی زمانہ میں اس پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ ہر قسم کے واقعات کو بے تکلفی کے ساتھ نہایت سلیس اور صاف زبان میں ادا کرنا فرخی ہی کی ایجاد ہے اسی نے واقعہ نگاری کی ایک شاندار شاہراہ قایم کر کے آیندہ شاعروں کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

۹۔ اگرچہ سلطان محمود سے پہلے بھی فارسی شاعری میں، صنایع بدایع وغیرہ کا استعمال کیا جاتا تھا لیکن اسی زمانہ میں اس کی طرف خاص طور پر توجہ کی گئی۔ یہ اگرچہ کوئی قابل وقعت بات نہیں ہے لیکن جہاں تک ادبیات کا تعلق ہے اس قسم کی چیزیں نئے اسالیب کے اضافہ کا باعث ہونے کی وجہ سے قابلِ قدر ہوتی ہیں خاص کر عنصری نے لف ونشر، ترصیع، تقسیم، سوال و جواب وغیرہ کی صنعتوں نیز مبالغہ اور معنی آفرینی میں اور فرخی نے صنعت تلمیح کے استعمال میں ید طولی حاصل کیا تھا۔ یہی وہ اوّلین نقوش تھے جن پر متاخرین نے بہتر سے بہتر مرقعے تیار کر لئے۔

——— (باقی) ———

فارسی ادبیات پر غزنوی دور کے احسانات

ان تمام متذکرہ امور کا اثر یہ ہوا کہ شہر غزنین علم و فضل کا اور شعر و سخن کا گہوارہ بن گیا۔ ایران کے کسی علاقہ میں جہاں کہیں کوئی شاعر پیدا ہوتا غزنین کا رخ کرتا اور وہاں پہلے متفرق اساتذہ سخن کی صحبت میں اپنے ذوق شعری کی تربیت و تہذیب کر کے کسی نہ کسی قدرداں امیر کے ذریعہ سے محمود کی بزم ادب میں شامل ہو جاتا۔ اسی طرح دور دور سے لوگ غزنین کے مدرسہ میں علم و فضل کی تحصیل کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اور ان مغتنمات زمانہ ہستیوں سے فیض حاصل کرتے تھے۔ جو محمود غزنوی کی ان تھک کوششوں اور بے پایاں فیاضیوں کی بدولت حسن اتفاق سے غزنین میں ایک جا جمع ہو گئی تھیں۔

محمود کی علم پروری کے باعث فارسی علم و ادب میں اس قدر جلد متفرق شعبوں کا اضافہ ہو گیا کہ اگر ارتقائے ادب فارسی کی رفتار میں یہ غیر معمولی ہیجان پیدا نہ ہو جاتا تو بہت ممکن تھا کہ ایک صدی میں بھی فارسی ادبیات کو اتنی ترقی حاصل نہ ہو سکتی۔ محمود نے اپنے عہد حکومت میں شہر غزنین میں علم و فضل کی اسقدر پختہ بنیادیں قایم کر دی تھیں کہ اسکے انتقال کے بعد بھی وہ ایک مدت تک ارباب فضل و کمال اور اہل سخن کا مرجع و منبع بنا رہا۔ چنانچہ محمود کے بعد کے زمانہ میں بھی جب ہم غزنین پر نظر ڈالتے

تو کئی شاعر اور نثر نگار ایسے نظر آتے ہیں جو فارسی ادبیات کے درخشاں ستارے
ہیں اور جن کی مصنفات کو اگر فارسی کی بساط سے علیحدہ کرایا جائے تو یقیناً
فارسی زبان اپنے ایک بہت بڑے ذخیرہ سے محروم ہو جائے گی۔

سلطان محمود نے فارسی علم وادب پر جو زبردست احسانات کئے ہیں
ان کے اثرات اس قدر دیرپا رہے کہ پورا غزنوی دَور فارسی علم وادب
کا ایک عہد زرّین بن گیا۔ محمود کے زمانہ میں جن جن جدتوں کی ابتدا ہوئی
تھی وہ سب اس کے جانشینوں کے زمانہ میں معراج کمال کو پہنچ گئیں
اور جو چیزیں اس کے عہد میں پیدا نہیں ہوئے پائی تھیں اُس کے بعد
ان کی تخلیق کا سہرا اس کے جانشینوں کے سر رہا۔ محمود اور اس کا
دَور فارسی علم وادب میں جن عظیم الشّان اضافوں کا باعث ہوا ہے
اُن کی اجمالی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) زبان کی ترقی

غزنوی دور سے پہلے ہی اگرچہ فارسی زبان میں شاعری کا خاصہ رواج
ہو گیا تھا۔ اور اگرچہ نثر کی بھی معدودے چند کتابیں لکھی جا چکی تھیں؛
لیکن اس نے اس عرصہ میں بحیثیت زبان کوئی زیادہ ترقی نہیں کی تھی
اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک اس کا کوئی باضابطہ مرکز نہیں بننے پایا تھا

اگرچہ سامانیوں نے بھی فارسی زبان کی بزرگداشت کی تھی لیکن ایک تو
اُس کا پایہ تخت ٹھیٹ فارسی کے اصلی گہواروں سے ذرا فاصلہ پر واقع
ہوا تھا اور دوسرے یہ کہ سامانیوں کو اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ بخارا اور
سمرقند کو فارسی کے مرکز بنا سکتے۔ شہر غزنین بھی اگرچہ فارسی کے گہواروں
سے دور تھا لیکن اس میں حسن اتفاق سے اس قدر اہل زبان اور علماء
و فضلاء جمع ہو گئے تھے اور یہ مجمع اس قدر دیر تک وہاں قائم رہا کہ خود
بخود غزنین اور اس کے محیط میں ایک فارسی علمی اور ادبی فضا پھیل گئی
اور یہی وہ چیز ہے جس نے ہر زبان کی طرح فارسی کی آیندہ ترقیوں
کے لیے بھی ایک ہموار راستہ تیار کر دیا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غزنین میں متفرق مقامات کے
علماء و فضلاء ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً عنصری بلخ کا' فرخی
سیستان کا' عسجدی مرو کا' غضائری رے کا'۔ بہرامی سرخس کا' فردوسی
اور اسدی طوس کا۔ ابوریحان خوارزم کا اور منشوری سمرقند کا باشندہ تھا۔
ان متفرق مقامات کے باشندوں کے میل جول سے متفرق مقاموں
کی بولیوں کی مقامی خصوصیات بھی ایک دوسرے سے ٹکر کھانے لگیں
اور اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی زبان میں کافی وسعت ہو گئی'
جس طرح دہلی میں متفرق بولیوں اور مقاموں کے افراد کے جمع ہو جانے

سے ایک نئی زبان اردو پیدا ہو گئی۔ اُسی طرح غزنین میں ٹھیٹ فارسی کو ایک خاص وسعت اور ہمہ گیری حاصل ہو گئی۔ محاورات اور اصطلاحات میں اضافہ ہوا۔ اور چونکہ غزنین نے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بھی اپنے زمانہ کے دوسرے شہروں پر فوقیت حاصل کر لی تھی۔ اس لیے ترقی یافتہ طرزِ معاشرت کے فطری اقتضا کے مطابق بھی زبان میں ارتقا ہونا ضروری تھا۔

غزنوی دور میں ارتقائے زبانِ فارسی کے صرف فطری اسباب ہی نہیں مہیا ہو گئے بلکہ اہلِ زبان نے بھی اُس کے منضبط کرنے کی کوشش کی چنانچہ فارسی زبان میں سب سے پہلی دفعہ لغت کی تدوین اُسی عہد میں ہوئی علی بن احمد بن منصور الاسدی فارسی لغت کا سب سے پہلا مدوّن، سلطان محمود کی بزم ادب کے ایک شاعر احمد اسدی کا بیٹا تھا۔ اُس نے اپنی کتاب میں جملہ نادر اور غریب الفاظ جمع کئے ہیں اور بالالتزام ہر لفظ کے ساتھ اساتذہ کے اشعار کو بطورِ شواہد نقل کیا ہے یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں بمقام گوٹنگٹن چھپی ہے۔

(۲) شاعری کی ترقی

محمود غزنوی کے زمانہ میں فارسی شاعری کی جو اصناف پہلے سے مروّج

تھیں ان میں تو خاصی ترقی ہو گئی اور جو موجود نہ تھیں اُن کی از سر نو تخلیق ہو گئی۔ غزنوی دور تک فارسی شاعری میں بالعموم صرف دو اصناف سخن رائج تھیں۔

۱۔ قصیدہ اور ۲۔ مثنوی۔ قصیدہ مداحی کے لئے مخصوص سمجھا جاتا تھا اور مثنویاں قصہ کہانیوں پر منحصر تھیں لیکن جس طرح ہم نے ابھی ذکر کیا ہے سلطان محمود کے مشاعروں نے قصیدوں میں خاصی ترقی کی اور متعدد نئی چیزوں کا اضافہ کیا۔ ایک طرف تو اُن کے خیالات وسیع ہو گئے تھے۔ جس کی بنا پر انھوں نے اپنے کلام میں وسعت نظر اور واقعات نگاری کو مدنظر رکھا اور دوسری طرف ان کی زبانیں شگفتہ ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی شاعری کی زبان میں لطافت اور شیرینی پیدا کر دی اور پر لطف محاوروں، تشبیہوں، اصطلاحوں اور تلمیحوں سے اپنے کلام کو مالا مال کر دیا۔

قصاید میں واقعات نگاری کے علاوہ اخلاقی مضامین بھی ادا کئے گئے۔ جہاں عنصری اور فرخی نے جنگ کے حالات اور تاریخی واقعات قصیدوں میں بیان کئے حکیم سنائی نے اخلاقی اور صوفیانہ موضوعوں کو روشناس کیا۔ اُن کا قصیدہ رموز الانبیا اور کنوز الاولیا طبقہ صوفیہ میں نہایت مشہور ہے جس میں سلوک کے معارف و حقایق اور لطائف

و دقایق مذکور ہیں ۔

غزنوی دور سے پہلے مثنوی نے کوئی زیادہ ترقی نہیں کی تھی رودکی ابوالموید بلخی اور عمعق بخاری اس کے بانی ہیں ۔ رودکی نے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا اور ابوالموید اور عمعق نے یوسف زلیخا کے قصے نظم کے ذریعہ ادا کیے ۔ غزنوی دور کے شعرا نے اس صنف میں بہت سے جدید مضامین کا اضافہ کیا جن کی وجہ سے مثنویہ شاعری میں بے حد وسعت پیدا ہو گئی اس زمانہ کی مثنویوں میں شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ وہ عظیم الشان رزمیہ پیدا وار ہے کہ اس کے بعد سے آج تک فارسی میں اس پایہ کی کوئی رزمیہ نہیں لکھی گئی ۔ اس عہد میں حکیم سنائی نے حدیقہ اور اسی قبیل کی دوسری مثنویاں لکھ کر اخلاقی اور صوفیانہ شاعری کا سنگِ بنیاد رکھا ۔ جس کی تکمیل زمانۂ مابعد میں شیخ فریدالدین عطار اور مولانا روم نے کی ۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں غزل اور رباعی کا رواج عام ہو گیا اور شعرا اس میں بھی دل کھول کر اپنی طبع آزمائیاں کرنے لگے ۔ فن لغت کی تدوین کی طرح ۔ عروض و قافیہ وغیرہ کی تدوین بھی غزنوی دور ہی کی شرمندۂ احسان ہے ۔ اس وقت تک فارسی شاعری کے قواعد و ضوابط مدوّن نہیں کیے گئے تھے

اس زمانہ میں حکیم بہرامی سرخسی نے فن شعر کے متعلق کئی کتابیں لکھیں غایۃ العروضیین اور کنز القافیہ میں علم عروض وقافیہ کے اصول وفروع جمع کئے گئے ہیں۔ خجستہ نامہ میں نقد شعراور اس کے اصناف وانواع کو بیان کیا ہے۔

اسی زمانہ میں حکیم فرخی نے علم بیان و معانی میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام ترجمان البلاغت ہے یہ کتابیں اس زمانہ میں عام طور پر درس شاعری کا نصاب مقرر تھیں۔ جو شخص شاعر ہونا چاہتا تھا اس کے لئے ان کا مطالعہ ضروری تھا۔ شمس الدین قیسی نے انہیں دیکھا تھا اور اپنی کتاب المعجم فی معایئر اشعار العجم کی تالیف میں ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ عوفی نے بہرامی کے حالات میں لکھا ہے "اورا در علم شعر و معرفت آں مہارت کامل بود۔ خجستہ نامہ کہ در علم عروض بے نظیر است از منشآت اوست"

(۳) نثر کی ترقی

سلطان محمود ہی کے زمانہ میں جہاں نظم کی ترقی ہوئی نثر کی بھی بڑی سے بڑی کتابیں لکھی گئیں۔ امام ثعالبی، ابونصر مشکان، عتبی، بیہقی، ابوریحان، بہرامی، بدائعی، وغیرہ کی کتابیں سرمایۂ ادبیات

ایران کے اجزائے لاینفک ہیں۔ اگرچہ ان میں عربی زبان کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ لیکن نثر نگاری کا شوق (خواہ وہ عربی کی ہو یا فارسی کی) تو عام ہوگیا تھا۔ اور چاروں طرف علم و فضل کی ندیاں بہتی نظر آتی تھیں۔

اگرچہ فارسی ادب کی بدقسمتی سے محمود غزنوی کے زمانہ کی ادبی پیداواریں سے اکثر اس وقت ناپید بھی ہوگئے ہیں لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کی تخلیق ہی بیکار ہوئی۔ انھوں نے اپنا مقصد ضرور ادا کر دیا۔ محمود کے زمانہ کے علمی مذاق اور ذہنیتوں کے ارتقاء میں مدد دینا ان کا کام تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس فرض کو تو بائیں شائستہ انجام دیا اور اگر اس کے بعد وہ زمانہ سے ناپید ہوگئیں تو یہ زمانہ کی ناقدردانی اور بے پرواہی کا قصور ہے۔ اس عہد یا اس کے قریبی زمانہ کی تصنیفات میں ان کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُس وقت عام طور پر پڑھی جاتی تھیں اور اُن کا پڑھا جانا ہی علم و فضل کی تبلیغ و ترویج کے لئے کافی تھا۔

(۴) تاریخ نگاری پر اثر

محمود غزنوی سے پہلے فن تاریخ کو ایران میں زیادہ وقعت

نہیں حاصل ہوئی تھی ۔ لیکن محمود کے زمانہ میں متعدد تاریخیں لکھی گئیں ۔ ایران کی فسانوی تاریخ شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ اسی دور کی یادگار ہیں ۔ موخر الذکر کو اگرچہ براہ راست غزنین سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے مصنف پر غزنین کا اثر ضرور پڑا تھا اس لیے اس کو غزنین کی پیداوار میں شامل کرنا ناجایز نہیں ہے ۔ علاوہ ۔ تاج الفتوح ، مقامات ابو نصر مشکان ، تاریخ محمودی ابو الفضل بیہقی ، تاریخ ملا محمد غزنوی اور تاریخ محمود وراق وغیرہ یہ سب تاریخیں اس عہد کی پیداوار ہیں اور اگرچہ ان میں سے اکثر اس وقت ناپید ہیں لیکن ان کا اثر محمود کے عہد اور اس کے بعد کے زمانہ پر ضرور پڑا ہے ۔

(۵) عام علمی نشو و نما

محمود کے زمانہ میں چاروں طرف مدرسے قایم ہو گئے تھے خاص کر محمود کا مدرسہ غزنین میں اور اُس کے بھائی نصر کا مدرسہ سعیدیہ نیشاپور میں بہت زیادہ قابل ذکر ہیں ۔ جن سے سیکڑوں علم و ادب کے تشنے سیراب ہو ہو کر نکلے ۔ بادشاہ اور شہزادوں کی ریس سے حکومت کے دوسرے امرا نے بھی مدارس بنوائے

اور تعلیم عام کر دی۔

اسی زمانہ سے فارسی زبان سرکاری اور درباری امور کے لئے بھی استعمال ہونے لگی اس کا یہ اثر ہوا کہ فارسی زبان اور ادب کو ترقی کرنے کا ہر طرح موقع مل گیا۔ اور وہ بہت جلد اس قابل بن گئی کہ آنے والی نسلوں اور حکومتوں میں بے حد ترقی کرے چنانچہ سلجوقیوں کو غزنویوں کا چنا چنایا ہوا دسترخوان مل گیا جس پر انھوں نے جی کھول کر فارسی ادبیاب کی ضیافت کی ق فارسی علم و ادب کا وہ پودا جس کو غزنویوں کی جان توڑ آبیاری نے سر بفلک کرکے بار ور ہونے کے قابل بنا دیا تھا۔ ابھی پوری طرح سے پھلنے پھولنے بھی نہ پایا تھا کہ غزنوی محسن دنیا سے چل بسے اور ایک نئی حکومت یعنے سلجوقیوں نے وہ تمام ثمرے حاصل کئے جو فارسی علم و ادب کے سرسبز و شاداب درختوں سے حاصل کئے جا سکتے تھے۔

مطبوعات مکتبۂ ابراہیمیہ

روح تنقید۔ دنیائے اردو ادب میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جس میں فن تنقید کے مبادیات و متعلقات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ادب کی تقسیم، اصول تنقید اور تنقید نگاروں کے فرائض بیان کئے گئے ہیں اور پیش کردہ اصولوں کے تحت اردو کی مشہور مثنوی سحر البیان پر تبصرہ کرکے اصولوں کا استعمال دکھلایا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں یونان۔ روما۔ ازمنہ متوسط و عصر بیداری کی ارتقائی تاریخ، فرانس، انگلستان اور یورپ میں اٹھارہویں صدی کے بعد سے اب تک جو اصول تنقید رائج ہوئے ان کا تفصیلی بیان، مروجہ تنقید اور چند تنقیدی کارنامے درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف فاضل انشا پرداز مولوی سید غلام محی الدین صاحب قادری زور ایم۔ اے (عثمانیہ) ہیں۔ حجم تقریباً (۳۰۰) صفحے لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، پاکٹ ایڈیشن قیمت [illegible]

تنقیدی مقالات۔ یہ بھی جناب زور صاحب کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب روح تنقید کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں انگریزی فارسی اور اردو زبانوں کے مصنفین و شعراء یعنی ٹامس گرے، ہوریس اسمتھ، ابو علی بلعمی، مصنف طبقات ناصری، میر تقی، میر حسن، غالب، حالی، امیر مینائی اور کیفی حیدرآبادی کے کلام و مضامین پر روح تنقید کے پیش کردہ اصولوں کی روشنی میں تنقید کرکے اصولوں کا استعمال دکھلایا گیا ہے۔ حجم تقریباً (۵۰۰) صفحے لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت [illegible]

اردو کے اسالیب بیان۔ مصنفہ جناب زور صاحب۔ یہ بھی اردو ادب میں پہلی کتاب ہے جس میں اردو نثر کے ابتدائی زمانہ سے لیکر موجودہ زمانے تک نثر نگاروں کے طرز تحریر، اسلوب بیان کے متعلق ایک مبسوط ادبی تاریخ و تنقید ہے مصنف نے اخیر میں اردو نثر کے مستقبل کی نسبت اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ حجم (۲۰۰) صفحے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت [illegible]

طلسمِ تقدیر مصنفہ نامور صاحب ۔ یہ ایک نیم تاریخی فسانہ ہے جس میں دکن کی تاریخ اور اس کے باشندوں کی تمدنی حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور نیز اس میں تقدیر و تدبیر کی بحث کو بڑی خوبی سے سلجھایا گیا ہے ۔ ضخامت (۶۵) صفحے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸ر

دنیائے افسانہ اردو کی ادبی دنیا میں یہ پہلا علمی کارنامہ ہے جسکو مولوی محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم ۔ اے ۔ ایل ایل ۔ بی (عثمانیہ) نے تصنیف کرکے اردو زبان پر احسان کیا ہے ۔ اس میں ناول نگاری اور افسانہ نویسی کی تاریخ اور اس کے اصول و مبادیات کا تفصیلی بیان درج ہے ضخامت (۲۱۰) صفحہ ۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت عہ

دکن میں اردو قدیم اردو کو چار دوروں میں تقسیم کرکے اس کے نظم و نثر کی مجموعی تاریخ پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے ۔ ہر دور کے شعراء کے جستہ جستہ حالات کے ساتھ ان کے کلام کا نمونہ پیش کرکے اردو زبان کا ارتقاء دکھلایا گیا ہے یہ اردوئے قدیم کی تاریخ ہے جس کو مولوی محمد نصیر الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل نے تالیف کیا ہے ۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ ۔ حجم (۳۷۵) صفحے ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت عا

خیابانِ اردو ہندوستان کے چوٹی کے اردو انشا پردازوں اور نامی گرامی شعراء کی نظم و نثر کا لاجواب انتخاب ہے ۔ جس کو جناب احمد عارف صاحب نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے ۔ یہ علمی گلدستہ اس قابل ہے کہ ہر تعلیم یافتہ اس سے اپنے کتب خانہ کو زینت دے ۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ ۔ حجم (۴۱۰) صفحے پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد عا ۸ر

جواہر کلیاتِ نظیر منتخبہ جناب مولانا سید غلام مصطفیٰ صاحب ذہین و علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد صاحب ہندوستان کے مشہور نیچرل شاعر نظیر اکبرآبادی کے کلیات سے اخلاقی، ادبی، نصیحت آموز، ظرافت آمیز، اور دلنواز نظموں کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا ہے جو ہر مرد، عورت اور طلبہ کے پڑھنے کے لائق ہے ۔ آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے ضخامت (۲۰۰) صفحے کاغذ، لکھائی، چھپائی خاصی ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت عہ

اسوۂ حسنہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کے سامنے کیسی زندگی پیش کی ہر مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے ضخامت (۸۹) صفحے کاغذ، لکھائی، چھپائی اچھی پاکٹ ایڈیشن قیمت ۸ر

چند کمیاب کتب

سروِ آزاد (بزبان فارسی) استاذ الاساتذہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف ہے جس میں فارسی اور ہندی زبانوں کے ۱۴۰ شعرا کے حالات مع نمونۂ کلام درج ہیں۔ حجم (۳۱۴) صفحے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ۔ قیمت ے مجلد ۱۲ے

تحقیق الجہاد۔ مصنفہ مولوی چراغ علی مرحوم۔ اس کے تین حصے ہیں۔ ابتدا میں مولوی محمد عبدالحق صاحب بی۔ اے کا عالمانہ و محققانہ مقدمہ ہے۔ جلد اول میں وہ تمام وجوہ و اسباب درج ہیں جن کی رو سے رسالتمآب صلعم اور اصحاب کبار لڑائیوں پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ اور مشرکین عرب کے مظالم کو مفصل بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اشاعت و تعلیم اسلام و تمدنی اصلاحات پر گہری نظر ڈالی گئی ہے۔ حصہ دوم میں تمام غزوات کے حالات درج ہیں۔ ثابت کیا گیا ہے کہ بانی اسلام نے اشاعت اسلام میں کبھی جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا۔ اسیران جنگ کے ساتھ ہمیشہ رحیمانہ و منصفانہ برتاؤ کیا۔ حصہ سوم میں تین ضمیمے ہیں۔ پہلے میں جہد و جہاد کی، دوسرے میں لونڈی غلام کو حرام بنانے کی بحث ہے اور تیسرے میں آیات قرآنی کا ذکر ہے جو جنگ کے متعلق وارد ہوئیں۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ حجم (۴۱۲) صفحے قیمت ے مجلد ۱۲ے

مجموعۂ رسائل چراغ علی اس میں حسب ذیل رسالے ہیں (۱) تہذیب الکلام فی حقیقۃ الاسلام۔ (۲) مجموعہ روایات استرقاق و تسری۔ (۳) تدبیر الاسلام فی تحریر الامۃ والغلام (۴) تحقیق مسئلہ تعدد ازدواج۔ ہر رسالے میں اصل موضوع کے علاوہ ضمناً بہت سے علمی، اسلامی، تاریخی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ حجم (۲۷۰) صفحے قیمت ے مجلد ۱۲ے

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام مصنفہ مولوی چراغ علی مرحوم اس میں مصنف نے اہل یورپ کے اعتراضات کا دندان شکن مفصل جواب دیا ہے جو اسلامی تمدن و معاشرت پر کئے جاتے ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اسلام کے سیاسی آئین اور قوانین سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے میں اسلامی تمدن و معاملات سے۔ کتاب کی ابتدا میں مولوی محمد عبدالحق صاحب بی۔ اے کا عالمانہ و محققانہ مقدمہ درج ہے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ۔ حجم (۳۵۰) صفحے قیمت ہر دو حصص ے مجلد ۱۲ے

مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

PRINTED BY.
RAM KISHAN LITHOGRAPHER
MAKTABA-E-IBRAHIMIA PRESS LTD.,
STATION ROAD.
HYDERABAD-DECCAN.